اِتھی ہیا مالا کی کہانیوں سے
کیرالا کے روایتی قصّے
اے. کے. سری کمار
CHILDREN'S BOOK TRUST
NEW DELHI
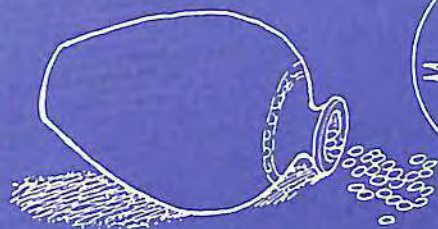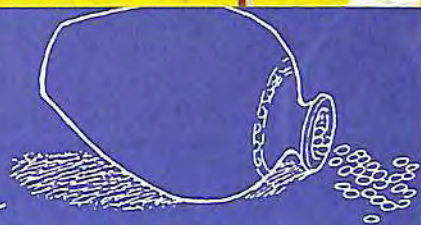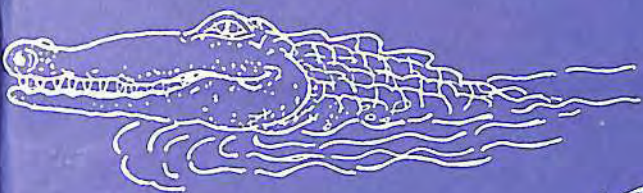
اِتھی ہیا مالا کی کہانیوں سے

کیرالا کے روایتی قصّے

مصنف : اے. کے. سری کمار

مصوّر : پی. جی. ورما

مترجم : منصور نقوی
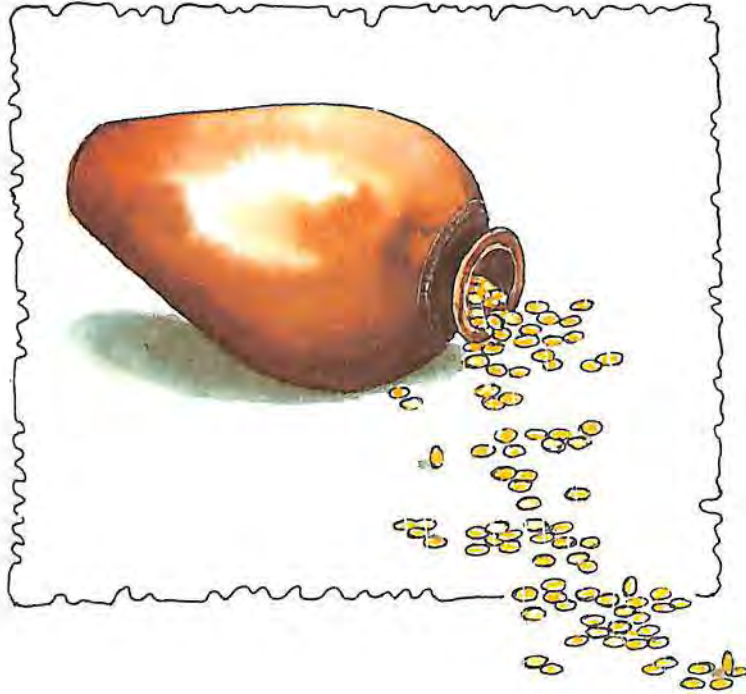
چلڈرن بک ٹرسٹ ☆ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان ☆ بچوں کا ادبی ٹرسٹ

فہرست

سباری کے پہاڑوں کا دیوتا

مدورا کا پانڈیان راجہ ایک دن شکار کو گیا۔ خطرناک جنگل میں جوں جوں وہ آگے بڑھا اُس نے ایک ایسا منظر دیکھا جس سے وہ حیران سا رہ گیا۔

وہ ایک نوجوان لڑکا تھا، ایک پُرلطف شکاری۔ وہ خوب صورت اور قدآور جوان تھا، پُرکشش شخصیت وہ اپنے تیر کمان کو بڑی مہارت سے استعمال کر رہا تھا۔ کچھ لمحے تو راجہ کھڑا اس کے فن کو دیکھتا رہا۔

''کون ہے یہ شخص؟'' راجہ نے اپنے مصاحبوں سے پوچھا۔ ''اِسے ہمارے پاس حاضر کرو۔ مابدولت اس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

شکاری کو راجہ کے پاس لایا گیا تو اس نے پوچھا۔ ''کون ہو تم نوجوان؟۔ ہم نے پہلے تو تم کو اس علاقے میں نہیں دیکھا، کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''حضورِ والا۔ میرا نام ایپّن ہے۔'' اس نو جوان نے بڑے ادب سے جواب دیا ''میرا تعلق کسی بھی ملک سے نہیں ہے۔ ساری دنیا میرا وطن ہے۔ میرے والد کیرالا کے تھے، اس لیے میں بھی خود کو کیرالا کا ہی تصوّر کرتا ہوں۔ جس طرح اور لوگوں کے والدین ہوتے ہیں میرے نہیں ہیں۔ میری ماں مہامایہ ہیں اور میرا باپ اس پوری دنیا کا مالک ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں زمین کے ہر گوشے میں بے کار گھومتا رہتا ہوں اور اس کے سوا میرے پاس اپنے بارے میں کہنے کو کچھ نہیں ہے۔'' کیسا عجیب آدمی ہے۔ راجہ نے سوچا۔

اس نے سوچا کہ اگر یہ نو جوان صحیح کہہ رہا ہے اور واقعی خانہ بدوش مست آدمی ہے تو مدورا کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔ کچھ اور ہو یا نہ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہتھیار چلانے کے فن میں ماہر ہے۔

''اگر تم واقعی وہی ہو جو کہہ رہے ہو تو پھر کیا ہمیں میرے ساتھ چلنے میں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟ میں تمھیں وہاں ایک اچھا رُتبہ دوں گا اور گھر بھی۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

اور اس طرح وہ نوجوان راجہ پانڈیان کے ساتھ اس کی راجدھانی پہنچ گیا۔ اُسے راجہ کی فوج میں سپاہی کا عہدہ مل گیا۔

وہ زمانہ مدورا کے لیے پریشانی کا تھا۔ اس کے پڑوسی ممالک ہر وقت اس سے لڑتے رہتے تھے۔ پانڈیان کی فوج میں رہ کر دشمنوں سے لگاتار ہونے والی لڑائیوں میں ائیپّن نے اپنی لڑائی کے فن کا لوہا منوالیا۔

مدورا کی فوج کی چاہے جتنی بھی تعداد ہو، چاہے جتنے اچھے طریقے سے وہ لڑیں، کتنی ہی بہادری کا مظاہرہ کریں مگر مدورا کے دشمن ہمیشہ ہارے۔ ائیپّن نے سب کو دبا کر رکھ دیا۔ وہ ناقابلِ تسخیر تھا۔

پانڈیان کی فوجی طاقت کا اندازہ بہت جلد ہی سب کو ہوگیا اور دشمنوں نے پوری طرح جنگ ختم کردی۔ جلد ہی ملک میں امن قائم ہوگیا۔ اب راجہ نے دوسری طرف وقت دینا شروع کیا اور اس نے اپنی پوری توجہ مدورا کی ترقی اور فلاح و بہبود پر لگائی، عوام کی خوش حالی کی طرف توجہ دی۔ جلد ہی ملک خوش حال ہوگیا۔

اب یہ عالم تھا کہ ائیپّن راجہ کا خاص مشیر بن گیا اور یہ اس لیے ہوا کیوں کہ مدورا کی طاقت، شہرت اور خوش حالی ائیپّن کی وجہ سے تھی۔

برسوں تک جن کارکنوں، سرداروں اور درباریوں نے پانڈیان کی خدمت کی تھی ائیپّن کے سامنے بےحقیقت بن گئے، وہ لوگ اس سے حسد کرنے لگے۔

''راجہ اب ہمیں نظر انداز کرتا ہے۔''

''وہ اس شکاری کی آنکھوں سے دیکھتا اور اس کے کانوں سے سنتا ہے۔ لعنت ہو ائیپّن پر۔ جب سے یہ شخص آیا ہے، ہم تو کچھ بھی نہیں رہ گئے۔ اگر تم نے جلد ہی کچھ نہ کیا تو ہم سب ختم۔ یہ بات یقینی ہے۔''

''ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟ راجہ پر تو ائیپّن کا جادو چھایا ہوا ہے۔ ہمارے کچھ بھی کہنے کا تو اس پر اثر نہیں ہوگا......''

''اگر ہم کسی طرح اُسے راجہ کی نظروں سے گرا سکیں تو......''

''مگر کیسے......؟ یہی تو ایک مشکل ہے......''

''ایک ترکیب ہے......ہم کو رانی صاحبہ سے رجوع کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے وہ ہماری مدد کریں۔ وہ بھی ائیپّن سے اُتنی ہی نفرت کرتی ہیں جتنی کہ ہم۔''

امرا، درباری رانی کے پاس گئے اور اسے اپنی بات بتائی۔

''میں آپ حضرات کی کس طرح مدد کرسکتی ہوں؟'' رانی نے تعجب سے پوچھا۔ ''کیا آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ راجہ ائیپّن کے خلاف ایک لفظ بھی سن سکتے ہیں۔ چاہے میں ہی کیوں نہ کہوں......؟''

''ہمارے پاس اب ایک یہی راستہ بچا ہے رانی صاحبہ! اگر آپ نے ہماری مدد نہیں کی تو ہم سب فنا ہوجائیں گے۔''

رانی نے تعجب سے پوچھا: ''میں آپ کی کیا مدد کرسکتی ہوں؟''

''رانی صاحبہ بس آپ ہی ہماری مدد کرسکتی ہیں ورنہ ہم ختم ہوجائیں گے۔''

''آخر آپ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے ایک ترکیب سوچی ہے۔ مہارانی آپ کو پیٹ کے درد کا بہانہ بنانا ہے۔''

''پیٹ کا درد......؟''

''جی ہاں۔ راجہ صاحب آپ کے علاج کے لیے ڈاکٹروں کو بلائیں گے......مگر آپ کو یہ یاد رکھنا ہے کہ ہر بار پیٹ کا درد بڑھتا ہی جائے گا۔''

تھوڑی دیر بعد رانی نے درد کا بہانہ شروع کردیا۔ اس کے رونے چیخنے کی آواز سے محل میں پریشانی اور افراتفری پھیل گئی۔ راجہ پریشان ہوگیا اور اس نے شاہی طبیبوں کو بلا بھیجا۔ ایک کے بعد ایک طبیب آتے گئے اور رانی کے درد کا علاج کرنے لگے مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ درد میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ ہر نئے علاج کے بعد پیٹ کا درد اور بڑھ جاتا تھا اور رانی کی چیخ [illegible] اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

کیا چکر ہے؟ راجہ کی عقل [illegible] تھی [illegible] حیران تھی۔ ''رانی کیا ہوگیا۔'' یہی وقت تھا اپنے منصوبے پر عمل کا۔ ایک [illegible] درباری نے آکر کہا۔ ''حضور اس آدمی کو بھی علاج کر لینے دیں۔'' اور ایک نئے طبیب کو راجہ کے سامنے پیش کیا۔ یہ ایک بہت ہی ماہر طبیب ہے۔ یہ طبیب اور کوئی نہیں بلکہ ان سازشی

درباریوں کا آلہ کار تھا جسے رشوت دے کر اپنے ساتھ ملایا گیا تھا اور سب کچھ سمجھا دیا گیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ تمھارا کیا کہنا ہے؟'' پریشان راجہ نے پوچھا۔ ''رانی کے درد کا صرف ایک علاج ہے حضور والا۔''

طبیب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''شیرنی کے دودھ کی تین پیالیاں۔ اس دودھ کو پی کر چند گھنٹوں میں یہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یقین کریں کوئی دوسری دوا کارگر نہیں ہوگی۔''

''ایسا ہے......!'' راجہ نے پریشانی سے کہا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ایسی شیرنی کا دودھ حاصل کیا جائے جو اپنے بچوں کو پال رہی ہو؟ اس خطرناک کام کو کرے گا کون۔ ذی ہوش شیرنی کا دودھ حاصل کرنے جائے گا۔ کیا تم ایک لاعلاج بیماری کے بارے میں کہنا چاہ رہے ہو جس کی دوا ہی میسّر نہیں......؟''

''یہاں پر کوئی تو ہوگا حضور والا جو اس مشکل کام کو انجام دے سکے۔''

''کون ہے وہ......؟''

''آپ کا سپہ سالار......ائیپّن صرف وہی یہ کام انجام دے سکے گا''۔

''اوہ، ائیپّن...... میں نے تو اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔'' راجہ کو امید کی روشنی کی کرن نظر آئی۔ ''اسے یہاں بلایا جائے۔''

جب ائیپّن کو پتا چلا کہ اُسے راجہ نے کیوں بلایا ہے تو جواب دیا ''میں کوشش کرتا ہوں جناب والا۔ مجھے ابھی جانا ہوگا۔''

''اب اس کو سبق ملے گا۔'' سازشی لوگوں نے اپنے ہاتھ ملتے ہوئے سوچا۔ اب دیکھتے ہیں وہ کس طرح اس سے بچتا ہے۔

''بے وقوف کہیں کا۔ انتظار کرو کسی شیرنی کا دودھ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور ختم ہو جائے گا''۔

☆ ☆ ☆

ادھر راجہ بڑی بے چینی سے ائیپّن کے واپس آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ تصور کرو اس وحشت کا جب کچھ وقت بعد اس نے مدورا شہر کے لوگوں کی خوف زدہ چیخ و پکار کی آوازیں سنی ہوں گی۔

''باہر یہ سب کیا ہو رہا ہے......؟'' پانڈیان راجہ نے غصّے سے پوچھا۔ ''یہ کیسا شور و غل مچا ہوا

ہے......؟'' اور اُسے یہ جاننے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ باہر یہ گڑبڑ کیسی ہے۔

''چیتے ......شیر......!''

''وہ آرہے ہیں ...... جان بچا کر بھاگو......'' لوگ وحشت سے چیخ رہے تھے اور جدھر سینگ سمائے بھاگ رہے تھے۔

''وہ یہ آگئے ...... بھاگو......''

اور راجہ نے اپنی آنکھوں سے حیران کر دینے والا منظر دیکھا۔

ائپّن واپس آ گیا تھا مگر کیا بدلا ہوا انداز تھا۔ یہ وہ نوجوان نہیں تھا جسے راجہ نے بے سوچے سمجھے شیرنی کا دودھ حاصل کرنے جنگل بھیج دیا تھا۔

اس منظر نے تو لوگوں کے خون کو پانی بنا دیا تھا۔ پیر پتھر کے ہو گئے تھے۔ ایک بڑے سے شیر کی پیٹھ پر بیٹھا خوب رو نوجوان ائپّن راجہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے پیچھے آرہے تھے ڈھیر سارے شیر اور چیتے۔ بالکل ایسے فرمانبرداروں کی طرح جیسے گائے۔

ان کی خوب ناک غرّاہٹیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ سڑکیں اور گلیاں انسانوں سے خالی ہو چکی تھیں۔ کس میں ہمت تھی جو شیر چیتوں کا اس انداز میں سامنا کرتا۔

پانڈیان کو جیسے ہی اپنے نوجوان سپہ سالار کی اصلیت کا اندازہ ہوا وہ اس کے آگے اس طرح زمین بوس ہو گیا جیسے کسی دیوتا کے سامنے آنے کا احساس ہو گیا ہو۔

''مجھے معاف کر دے میرے دیوتا۔ میں بھول گیا تھا ...... میں بے وقوف ہوں۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ میں نے آپ سے بالکل اپنے نوکر کی طرح برتاؤ کیا۔ میں نے گناہ کیا ہے۔ یہ میری جہالت تھی اے دیوتا۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ ان جنگلی درندوں کو یہاں سے دُور لے جائیے۔ انھوں نے میرے عوام کو بہت خوف زدہ [illegible] زدہ کر دیا ہے اور میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میرے گناہوں کو معاف کریں...... اور مہربانی کر کے مجھے بتائیں کہ آپ کون ہیں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے جنابِ عالی...... آپ نے نہ تو مجھ سے کوئی زیادتی کی ہے اور نہ ہی کوئی گناہ کیا ہے۔ اس کے برعکس آپ نے تو مجھ سے اچھا برتاؤ کیا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کسی اپنے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ میں تو آپ سے کافی پہلے ہی ایک بار بتا چکا ہوں کہ میں کون ہوں اس میں کہنے کو اور کچھ نہیں ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کو میرے بارے میں اور بھی پتا چل جائے گا۔ اب مجھے جانا چاہیے۔ یہاں زیادہ وقت رکنے کا اب کوئی جواز نہیں ہے یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو میرا یہاں رہنا اچھا نہیں لگتا۔ ان لوگوں نے ہی اس ناگوار واقعے کے لیے اُکسایا تھا۔ لیکن کوئی بات نہیں، میں اب اپنے ان پالتو جانوروں کے ساتھ جاتا ہوں، میں آپ کو بھی صلاح دوں گا کہ اس علاقے میں نہ رہیں یہاں آپ خوش نہیں رہ پائیں گے۔''

ان الفاظ کے ساتھ ائیپّن اور اس کے شیر چیتے اچانک نظروں سے اوجھل ہو گئے اور راجہ کو ہکا بکا اسی حیرت انگیز واقعے پر سوچنے کے لیے چھوڑ گئے۔

پانڈیان کی حکومت سے رخصت ہو کر ائیپّن مغرب کی طرف چلا گیا۔ ابھی اس نے کیرالا کے مشرقی سرحدوں کو پار ہی کیا تھا کہ وہ ایک رشی کے پاس جا پہنچا۔ وہ رشی پرسورام تھے۔ ایک بہت ہی جنگجو قسم کے رشی۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں......؟'' ائیپّن نے دریافت کیا۔

''میں یہاں آپ کی عبادت گاہیں بنانے کے لیے جگہیں تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔ میں نے پہلے ہی آپ کے نام سے منسوب مورتیاں مغرب میں سمندر کے پاس نصب کر دی ہیں اور کچھ شمال مشرقی علاقے میں نصب کی ہیں۔ یہ جگہ جہاں ہم ملے ہیں کچھ خاص ہے۔ اس جگہ بہت سے متبرک بزرگوں نے سیکڑوں سال گزارے ہیں۔ رشی ماتنگا نے یہاں پراشچت کیا تھا۔ یہیں پر ساباری نے شری رام کے قدموں میں نجات پائی تھی۔ آپ کی موجودگی بھی اس جگہ کے لیے خاص اہمیت کی حامل ہے بھگوان۔ آپ اس دھرتی کے محافظ دیوتا ہیں۔'' رشی نے کہا تو ٹھیک ہے۔ بھگوان نے کہا۔

پھر پرسورام نے اس پہاڑی پر بھگوان ائیپّن کی ایک مورتی لگائی اور وہیں مُکتی کے لیے عبادت شروع کی۔

کہا جاتا ہے کہ کیرالا کی ان پہاڑوں میں یہ پہاڑی ساباری مالا ہے جہاں عقیدت اور بھروسہ رکھنے والوں کو بھگوان خود نوازتے ہیں۔

ایک دن ساباری مالا کا وہ محافظ ......ائیپّن ...... پانڈیان راجہ کے خواب میں آیا۔

''میں ساباری مالا میں مستقل مقیم ہو گیا ہوں اگر تمھاری خواہش ہو تو یہاں آ کر مجھ سے مل سکتے ہو۔'' اس پیکر خیالی نے پانڈیان سے کہا۔

راجہ چل پڑا اور ساباری کی پہاڑیوں پر دشوار جنگلوں میں پہنچ گیا۔ جنگل میں بہت اندر اس نے وہ مندر تلاش کر لیا جسے پرشورام نے بنایا تھا اور اس طرح بھگوان اور اس کے بھگت کا ایک بار پھر ملن ہوا۔ پھر تو اس کے بعد یہ ایک رسم بن گئی راجہ پانڈیان کے لیے بھی اور اس کے بعد اس کے جانشینوں کے لیے بھی کہ وہ سال میں ایک بار مکر سکرانتی کے موقعے پر جنوری کے مہینے میں اس مندر کی یاترا کریں۔

وقت کے ساتھ ساتھ اور بھی کچھ دیوتاؤں کی مورتیوں کو نصب کر دیا گیا ہے جو اسی محافظ کے مندر کے پاس ہیں۔ ایک دو منزل کی عمارت بھی بن گئی ہے جس کی اوپری منزل پر دیوی بھدر کالی کا مندر ہے۔ اس پوجا کے مقام کو محل کے اندر ماں کے نام سے جاتا ہے۔ یہاں پر ایک واور کی درگاہ بھی ہے جو عقیدے کے حساب سے مسلمان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ائیپّن کا بہت ہی عقیدت مند و پرستار تھا۔ واور بھگوان سے اتنا لگاؤ رکھتا تھا کہ اپنے مرنے کے بعد بھی ان سے الگ نہیں ہونا چاہتا تھا اس لیے اسے مندر کے اندر ہی مستقل مقام حاصل ہوا یعنی اپنے پیارے ائیپّن کے پاس ہی۔

~~~~~~~~
~~~~~~~~

دستِ شفا

کیرالا کی پونانی تحصیل کے ایک قصبے الاتھور میں نامبی ایک بہت ہی خوش حال گھرانہ ہے۔ الاتھور کے یہ نامبی لوگ وید تھے اور آج بھی انھیں بڑے قابل وید خاندان کے نام سے جانا جاتا ہے۔

نامبی خاندان کے ان ویدوں کی قابلیت کے پیچھے ایک کہانی ہے۔ ان نامبی برہمنوں کے گھروں کے پاس ہی شِو کا ایک مندر ہے جسے ویدیان تریکوال کہتے ہیں۔ یعنی ویدوں کا مندر ایک نامبی یہاں مستقل پوجا کرتا تھا۔ صبح شام بلا ناغہ ۰۰ مندر میں پوجا کو آتا تھا۔

نامبی کے گھر اور اس مندر کے راستے میں ایک برگد کا پیڑ تھا۔ جب بھی نامبی وہاں سے گزرتا تو اسے پرندوں کا ایک جوڑا پیڑ کی شاخوں پر بیٹھا ملتا۔ جب بھی یہ پرندے نامبی کو دیکھتے تو چہکنے لگتے 'کوڑ ککو!'

ایک دن نامبی چڑیوں کی 'کوڑ ککو' سن کر رُک گیا۔

''کالے ہٹامٹا بھوجی کراٹا چھکرا مناح کرامینا وماشیاہ اویدھروتا موترا پیر شاہ متر شو بچات ماچونراح سوردلگو۔'' نامبی نے جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔

اس کے بعد نہ تو کبھی وہ چڑیا ہی دکھائی دیں اور نہ ہی ان کی آواز سنی گئی۔ سنسکرت میں 'کوڑکگو- کاہا کوڑکگو' کا مطلب ہے کون ہے صحت مند (بغیر کسی مرض کے) نامی نے جواب دیا ''وہ جو اچھا کھانا صحیح مقدار میں اور صحیح وقت پر کھائے، کھانے کے بعد تھوڑی چہل قدمی کرے، جو بائیں کروٹ لیٹ کر آرام کرے، وقتِ ضرورت حاجتِ رفع (پیشاب پاخانہ) کرے اور جو ضرورت سے زیادہ عورت سے جنسی تعلق نہ رکھے وہی ایک تندرست اور صحت مند انسان ہوگا۔''

اور شاید نامی کا جواب پرندوں کے لیے تسلی بخش تھا اس لیے وہ غائب ہو گئے۔

اس واقعے کے دو دن بعد نامی کے گھر دو لڑکے آئے۔

''ہم آپ کے شاگرد بننا چاہتے ہیں جناب۔''

''تم لوگ کون ہو''؟
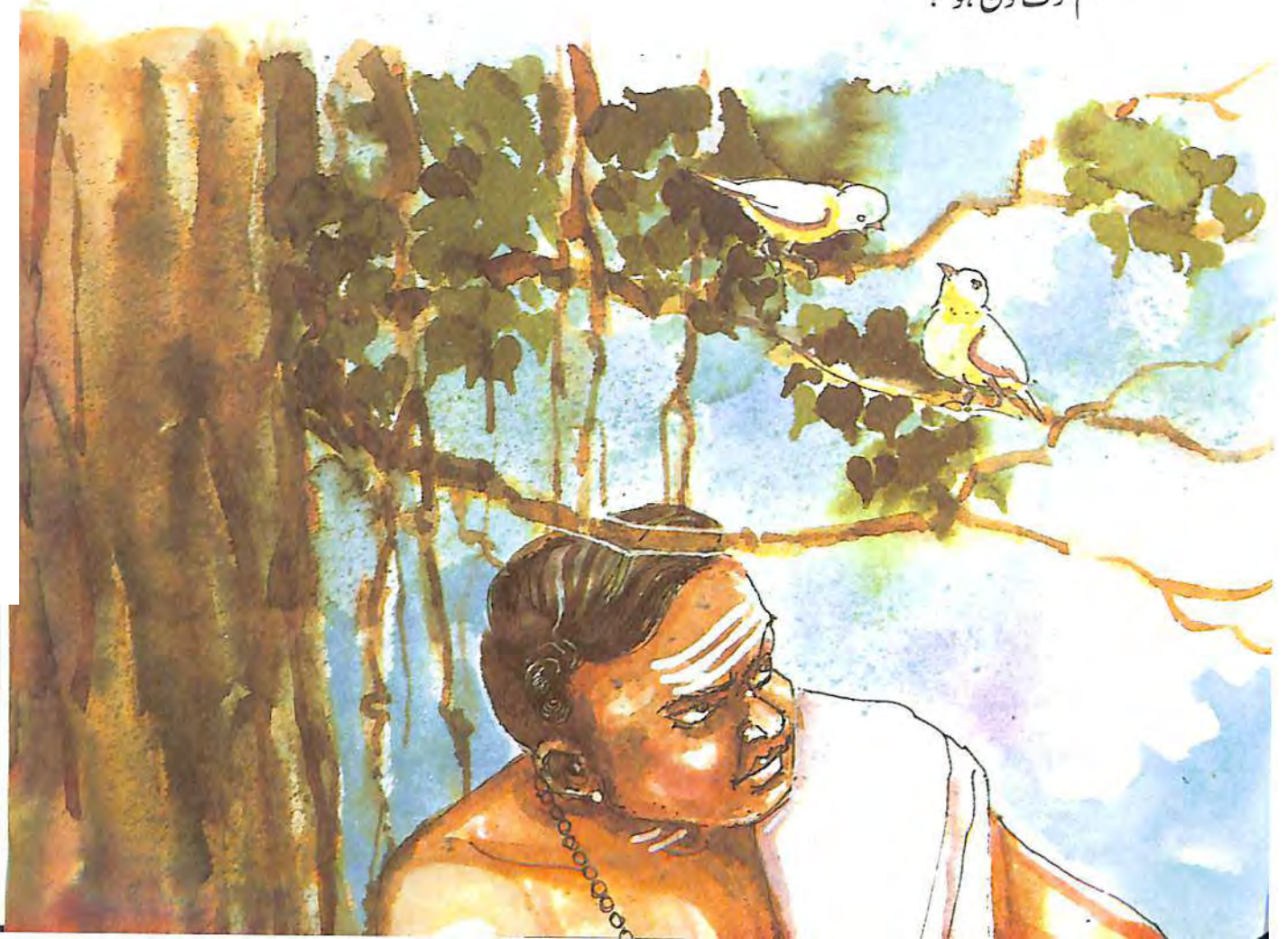
''برہمن جناب۔آپ دیکھ سکتے ہیں کہ......''

''تب ٹھیک ہے۔''

اور پھر ان دونوں کی تعلیم شروع ہوگئی۔

بچّے بہت شیطان تھے حالاں کہ ان کی حرکتیں اور شیطانیاں بہت غصّہ دلانے والی ہوتی تھیں مگر نامی مسکرا کر رہ جاتا تھا۔ چاہے جتنی بھی حرکتیں کریں مگر نہ تو وہ ان کو ڈانٹتا تھا اور نہ ہی کوئی سزا دیتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان کی حرکتیں بھی بڑھتی گئیں اب وہ اپنا پڑھائی پر بھی بہت کم توجہ دیتے تھے۔

استاد کے سامنے نئے نئے سوال کرنا، اپنے نظریے پیش کرنا، استاد جو کام دیتے اس کو اپنے انداز میں حل کرنا اور استاد کے لیے پریشانیاں بڑھانا۔

''یہ کیسے ہوا''؟

''اس کا یہ بھی تو مطلب ہوسکتا ہے کہ......''

لیکن ان کے مشورے اور باتیں ایک دم سچی ہوتی تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ استاد ان لڑکوں کو بجائے پڑھانے اور سکھانے کے سیکھنے زیادہ لگا۔

ایک دن ان لڑکوں نے نامی کے مکان کے ایک کونے میں ایک کمرے کو آگ لگادی۔ ان کا استاد وہاں موجود نہیں تھا۔ گھر کا وہ حصّہ جل کر خاک ہوگیا۔

جب نامی گھر لوٹا تو اس کے بچّے بھاگتے ہوئے آئے۔ پاپا! پاپا! ان دونوں نے گھر کا وہ ٹکڑا جلادیا۔ ان دونوں نے......''

''ارے......اچھا ایسا ہوا......''؟ بس نامی نے اتنا ہی کہا۔ مگر ان دونوں لڑکوں سے کچھ نہیں کہا۔ کچھ مہینے گزرے تھے کہ ایک دن نامی اپنے پِتا کے 'شراد' کی تیاری کررہا تھا۔ اسی سلسلے میں پہلے اسے نہانا تھا۔ جب وہ نہارہا تھا تب اسی وقت کچھ ضرورت مند لوگ آئے۔ وہ شکاری تھے۔

ان برہمن لڑکوں نے مدد کی غرض سے رسوئی میں جا کر دیکھا۔ پوجا کے لیے چاول رکھے تھے وہی اٹھا کر شکاری کو دے دیے۔ جب نامی نہا کر آیا تو اُسے پتا چلا کہ کیا ہوا ہے۔ مگر ان لڑکوں سے کچھ بھی کہے بغیر اس نے اور چاول منگوا کر پکائے اور پوجا مکمل کی۔

ایک دن نامی کو ایک مریض کو دیکھنے جانا تھا۔ دونوں لڑکے بھی اس کے ساتھ چلے۔ چلتے چلتے ایک دریا پر پہنچے اور دریا پر بنا پُل پار کرنے لگے۔ تینوں نے لگ بھگ آدھا پُل پار کیا تھا کہ تبھی ان لڑکوں نے اپنے استاد کو دریا میں دھکیل دیا۔ نامی تیر کر دریا کے پار گیا اور نچوڑ کر اپنے کپڑے سکھانے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر لڑکوں کے ساتھ تھا۔ سب اس طرح ساتھ ساتھ چل دیے جیسے ابھی کچھ دیر پہلے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ استاد نے ان لڑکوں سے کچھ نہیں کہا۔

نامی کے گھر پر ایک شخص اکثر آتا تھا۔ اس کے سر میں درد رہتا تھا۔ جب بھی وہ آتا وید اس کو ایک گولی دے دیتا تھا۔ مریض چلا جاتا تھا اور کچھ دن بعد ہی واپس آ جاتا تھا۔ پھر وہی سر کا درد......! کچھ عرصے تو ایسا ہی ہوتا رہا۔ ایک دن جب وہ آیا تو نامی گھر پر موجود نہیں تھا۔

''ارے کوئی میری مدد کرے''۔ وہ بلبلا رہا تھا۔ شاید درد کی شدّت کی وجہ سے۔ ''ارے نہیں۔ نہیں۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ آپ آیئے، ہمارے ساتھ آیئے۔'' لڑکوں نے مریض کا علاج کرنے کی ٹھان لی۔

''لیکن وید جی کہاں ہیں''؟

''وہ گھر پر نہیں ہیں۔ مگر آپ کو اس کی کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیے۔''

وہ دونوں لڑکے اس مریض کو ایک کمرے میں لے گئے۔

''آپ یہاں بیٹھیں۔ ہم ابھی آتے ہیں۔''

پھر وہ دونوں لڑکے باہر احاطے میں کچھ پتّیاں توڑنے گئے اور پھر جب اپنی مطلوبہ پتّیاں کافی تعداد میں جمع کر لیں تو واپس کمرے میں لوٹ آئے اور اندر سے کمرہ بند کر لیا۔

نامی کے چھوٹے بچّے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر وہ اپنے اشتیاق کو نہ روک سکے اور دروازے کے ایک سوراخ میں سے جھانکنے لگے۔

ان برہمن لڑکوں نے توڑی گئی پتّیوں کو کچل کر عرق نکالا۔ اس نکالے گئے عرق کو جب وہ لڑکے اُس مریض کی کھوپڑی پر ملنے لگے تو مریض نے پوچھا ''یہ تم کیا کر رہے ہو......؟''

''چپ چاپ بیٹھے رہو۔''

مجبور شخص کراہ کر خاموش ہو گیا۔

بے یقینی سے اس نے دیکھا کہ اس کی کھوپڑی کے بال، کھوپڑی اور اس کی کھال کو ان لڑکوں نے اوپر کو اٹھا کر الگ کر لیا۔

''اوہو...... یہ ہے تمھارے سر درد کی وجہ۔''

کھوپڑی کے نیچے کچھ چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جو اس مرض کی وجہ بنے ہوئے تھے۔ چند منٹوں میں ان رنگ روٹ ڈاکٹروں نے اُن کیڑوں کو کھوپڑی کے نیچے سے صاف کر دیا۔ واپس کھوپڑی کو اپنی جگہ فِٹ کیا اور کچھ عرق اوپر بھی لگایا۔ بالوں پر اور کھال پر بھی۔

''ارے درد تو ختم ہو گیا...... بالکل ختم ہو گیا......'' اور وہ دونوں لڑکے اپنے کام کا جائزہ لیتے رہے۔

''ہاں اب یہ ختم ہو گیا......اب آپ جا سکتے ہیں۔''

''اب مجھے کب آنا ہے۔''

''کبھی نہیں......''

''میں نے آج تک کبھی اتنا اچھا محسوس نہیں کیا۔'' اس شخص نے اپنی باتوں کو چباتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو ایک معجزہ ہو گیا۔ میں آپ کا کس طرح شکریہ ادا کروں؟''

''ہمارے استاد کا شکریہ ادا کرنا۔''

مریض نے خندہ پیشانی سے ان کو نمسکار کیا اور چلا گیا۔

کمرے سے باہر نکل کر ان لڑکوں نے نامی کے بچّوں کو پکڑ لیا۔ "کیا کر رہے تھے تم لوگ یہاں پر ......جھانک رہے تھے کیا......"

"ہم تو......ہم تو بس......"

"جھانکنے سے تم سب کی آنکھیں بھینگی ہو جائیں گی۔" ان لڑکوں نے بچّوں کو تنبیہ کی۔ جو دوا اُن کے ہاتھ لگی رہ گئی تھی وہ برآمدے کے ایک ستون پر ہاتھ رگڑ کر انھوں نے ہاتھوں کو صاف کیا۔

جب نامی واپس لوٹا تو رات ہو چکی تھی۔

پاپا...... ذرا پہلے ہماری پوری بات سن لیں۔" جیسے ہی وہ کھانا کھانے بیٹھا بچّوں نے اس سے کہا۔ اور جو کچھ بھی ان لوگوں نے دیکھا تھا سب کچھ نامی کو بتانے لگے۔ اُسی وقت دونوں برہمن لڑکے بھی آ گئے۔

"اب ہم یہاں اور نہیں رُک سکتے ماسٹر......ہم کو فوراً ہی جانا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں......؟"

ہمارے پاس آپ کو گرودکشنا دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ تو کوئی چیز ہے اور نہ ہی دولت جو آپ کو اس کے بدلے میں دے سکیں جو آپ نے ہمارے لیے پریشانیاں اٹھائی ہیں اور ہمیں سکھایا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں نے تو کچھ بھی نہیں مانگا۔"

"خیر کوئی بات نہیں، مگر آپ یہ قبول کیجیے......"

ایک کتاب ان لڑکوں نے نامی کو دی جو اس نے بائیں ہاتھ سے لے لی کیوں کہ وہ کھانا کھا رہا تھا۔

آپ کو جب بھی کسی قسم کی پریشانی ہو کسی مرض کی دوا جاننی ہو، مہربانی کر کے اس کتاب کو دیکھ لیجیے گا، آپ کو جواب مل جائے گا۔ مگر ایک بات کا خیال رہے......اس گھر کے باہر کا کوئی آدمی بھی اس کتاب کو نہ دیکھنے پائے۔"

پھر وہ جانے لگے۔ نامی بھی ان کے ساتھ باہر آیا۔ جب ان لڑکوں نے آگے جانے کو قدم بڑھائے اور نامی پیچھے تھا تب ان لوگوں میں اس طرح کی بات چیت ہوئی:

''آپ کون ہیں......؟ نامی نے پوچھا۔

''یہ جان کر تم کو اس سے کیا فرق پڑے گا......؟''

''یہ صرف اس لیے کہ میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ لوگ کوئی عام انسان نہیں ہیں۔ میں نے اسی لیے پوچھ لیا۔''

''اچھا تو پھر اتنا سمجھ لو کہ ہم پرندے ہیں۔''

''چاہو تو ہمیں دیوتا سمجھ لو۔''

''آپ یہاں کیوں آئے تھے؟''

''آیوروید کے طریقۂ علاج کو ترقی دینے آئے تھے......!''

''آپ نے مرے گھر میں آگ کیوں لگائی تھی......؟''

''کیوں کہ آپ کے گھر پر آگ لگنے کا اس وقت حادثہ ہونے والا تھا۔ ہم نے اس خطرے کو اس باہری کمرے تک محدود کر دیا تھا۔''

صرف اس وقت ہی یہ حادثہ ٹال سکتے تھے مگر یہ گھر کسی دن بھی نذرِ آتش ہوسکتا ہے۔

''آپ نے ان شکاریوں کو پوجا کرنے والے چاول کیوں دے دیے تھے؟''

''وہ شکاری نہیں تھے بلکہ آتمائیں تھیں (گزرے ہوئے بزرگ) پُرکھے۔ وہ اسی لیے آئے تھے کیوں کہ رسومات پوری ہونے میں دیر ہو رہی تھی اگر ہم نے اُس وقت انھیں وہ چاول نہیں دیے ہوتے تو وہ اس گھر کو بددعا دیتے جس کی وجہ سے اس پریوار کی خوش حالی بھی چلی جاتی اور نسل بھی ختم ہو جاتی۔''

''آپ نے مجھے دریا میں دھکیل کیوں دیا تھا؟''

''اس وقت اس دریا میں گنگا جمنا اور سرسوتی تینوں دریاؤں کا پانی موجود تھا۔ اس وقت کا آپ کا نہانا تروینی کے سنگم میں نہانے کے برابر تھا۔''

یہ باتیں کرتے کرتے وہ لوگ برگد کے پیڑ کے نیچے پہنچ گئے جو نامی کے احاطے میں تھا۔

''بس اب ختم...... ہمیں جانا ہے۔''

''جیسا آپ چاہیں۔''

دونوں نوجوان جا چکے تھے۔ وید کو احساس ہوا کہ وہ اکیلا ہی اُس برگد کے پیڑ کے نیچے کھڑا ہے

''یہ اشونی تھے۔'' نامی بڑبڑایا۔ ''یہ جُڑواں دیوتا تھے، یہی وہ دونوں تھے جو پرندوں کی شکل میں برگد کے پیڑ پر نمودار ہوئے تھے۔ جس برگد کے نیچے وہ دونوں دیوتا غائب ہوئے تھے۔ اس برگد کی پوجا چلتی رہی۔ یہ بات عام ہوگئی تھی کہ آراتھور کے نامبیوں کے ہاتھ میں جو شفا ہے وہ اُنھیں جڑواں دیوتاؤں کے وردان (دعاؤں) کا نتیجہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جس کھمبے پر اُن دیوتاؤں نے اپنے دوا سے سَنے ہاتھ پونچھے تھے اس کا چٹکی بھر پاوڈر سر درد کے لیے اکسیر کا کام کرتا تھا جیسا کہ ان جُڑواں دیوتاؤں نے پیشین گوئی کی تھی۔ نامی کے گھر کو آگ لگی پورا کا پورا مکان مع اس کھمبے کے جس پر اُنھوں نے اپنے ہاتھ پونچھے تھے، جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوگیا تھا۔

یہ قصّہ بھی مشہور ہوگیا کہ چوں کہ نامی نے وہ دواؤں کی کتاب اُن اشونی دیوتاؤں سے الٹے ہاتھ سے لی تھی اس لیے جب بھی کوئی نامی اپنے الٹے ہاتھ سے کوئی نسخہ لکھتا ہے زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ ان جڑواں دیوتاؤں کا قول بھی سچا رہا اور جو انھوں نے کمرے میں جھانکتے ہوئے بچّوں کی آنکھوں میں بھینگا پن ہونے کی بات کہی تھی۔ اس لیے آنے والی نسلوں میں تمام بچّوں کی آنکھوں میں بھینگا پن پیدا ہوگیا۔

☆ ☆ ☆

نامبیوں کی شہرت سن کر ایک نوجوان نمبودری آلاتھور پہنچا۔ اس کو کوڑھ کا علاج کروانا تھا۔ درجنوں ڈاکٹروں سے مل چکا تھا اور ہر ممکن علاج کرواچکا تھا۔ نامی کو اُس کے آنے کا پتا چلا تھوڑی دیر اس نے سوچا۔

ہاں......ں......آپ کی بیماری کا ایک علاج ہے اگر آپ پائیتھون سانپ کی چربی کے تین چمچے پی لیں تو آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے، مجھے یقین ہے۔"

"پائیتھون کی چربی......؟ مگر کیسے......؟"

"مجھے افسوس ہے اس کے علاوہ دوسرا کوئی چارہ نہیں۔" وید نے کہا۔

نمبو دری بہت ہی افسردہ ہو گیا۔ پائیتھون سانپ کی چربی کھانے کے خیال سے ہی اُسے گھن آنے لگی اور وہ بھی اسی قسم کی بات اُس نامبی کی طرف سے کہی گئی تھی جس کا ہر لفظ اُس نوجوان کے لیے آوازِ غیب تھا۔ افسردہ نمبو دری نامبی کے گھر سے رخصت ہوا اور سیدھا چمراوٹم کے مقام پر ائپّن کے مندر کی طرف گیا۔

بارہ دن تک اس نمبو دری نے بھگوان کے چرنوں میں دعا کی۔ ایک روز اُس نے ایک خواب دیکھا۔ ایک اجنبی اس کے پاس آیا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ہر روز جب تم صبح کو اشنان کرتے ہو تو تین چُلّو بھر کر پانی پیا کرو۔ اپنی صبح کی پرارتھنا کے ساتھ چالیس دن تک یہ عمل دہراتے رہو تو تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"کیا عجیب خواب تھا۔" اس نوجوان نے سوچا۔ "وہ ضرور کوئی اور نہیں خود بھگوان ہوں گے۔"

اس دن سے اس نے دریا سے تین چُلّو پانی پینا شروع کر دیا۔ چالیس دن گزر گئے اور چالیسویں دن ...... باحیرت...... اس کا کوڑھ ٹھیک ہو چکا تھا۔ اب وہ ایک صاف ستھرا اور تندرست آدمی تھا۔ نمبو دری فوراً ہی آلاتھور کی طرف روانہ ہوا تا کہ اپنے ٹھیک ہونے کی معجزاتی خبر نامبی کو سنا سکے۔

"اور یہ سب چمتکار بغیر پائیتھون سانپ کی چربی کے استعمال کے ہوا ہے۔" فخریہ انداز میں اس نوجوان نے بتایا۔

"واقعی؟ یہ کب اور کہاں ہوا۔"

"چمراوٹم میں۔ میں نے تو وہاں پر صرف بھگوان ائپّن کی عبادت کی تھی۔"

اس نے نامبی کو اپنے خواب اور پھر اس جگہ کا پانی پینے والی بات بتائی۔

''جس کی اجیا اچھی اس کا سب کچھ اچھا۔'' نامی مسکرا کر بولا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ تم ٹھیک ہو گئے۔ خیر کوئی بات نہیں ...... میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں یہ سب کچھ ہوا۔ کیا تم مجھے وہاں لے چلو گے۔''

وہ دونوں چمراوٹم گئے اور اس دریا کے کنارے بھی گئے جہاں کا پانی اس نمبودری نے پیا تھا۔ نامی اس جگہ سے دریا کے کنارے کنارے اوپر کی طرف چل پڑا پھر ایک جگہ وہ رُک گیا۔

''دیکھو۔'' اُس وید نے کہا۔ ''اس چیز کو دیکھو۔''

نامی اس جگہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا جہاں ایک پائیتھون سانپ دریا کے کنارے مرا پڑا تھا۔ اس سانپ کے مرے ہوئے جسم سے چربی نکل نکل کر دریا کے پانی میں ملتی جا رہی تھی۔

''تم نے دیکھا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تین چمچے پائیتھون کی چربی استعمال کرو۔ تم نے اس بتائی ہوئی مقدار کا چار گنا استعمال کر لیا ہے۔ پھر اس میں کوئی تعجب نہیں کہ تم ٹھیک ہو گئے ہو۔''

☆ ☆ ☆

راجہ کی خواہش کی وجہ سے ایک نامی نے اپنی سکونت مستقل طور پر تھیرووننت پورم میں اختیار کر لی تھی۔ اسی زمانے میں رکلی مانور قلعہ کے سب سے بڑے راجکمار کو گٹھیا کی شکایت ہو گئی اور پیشاب بھی رُک گیا۔ بیماری اتنی بڑھی کہ راجکمار نے بے تحاشا پانی پینا شروع کر دیا۔ اس کی پیاس اتنی بڑھ گئی کہ کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔ حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ وہ روزانہ ایک سو پچاس ناریلوں کا پانی پینے لگا، یہ سب روزمرّہ کے کھانے اور چاول وغیرہ کھانے کے بعد حالت تھی۔

پریشان راجکمار نے حکم صادر کیا کہ جو کوئی بھی اُسے اس بیماری سے نجات دلائے گا اُسے ایک ہزار روپے انعام میں دیے جائیں گے۔ راجکمار کے دربار کا ایک درباری اتفاق سے آلاتھور کے نامی کا دوست تھا، وہ فوراً نامی کے گھر کی طرف روانہ ہوا اور جلد ہی اپنے دوست کے ساتھ کلی مانور کے قلعہ واپس آیا۔ بغیر کسی پریشانی کے نامی نے علاج شروع کیا۔ جس دن علاج شروع ہوا تھا اس
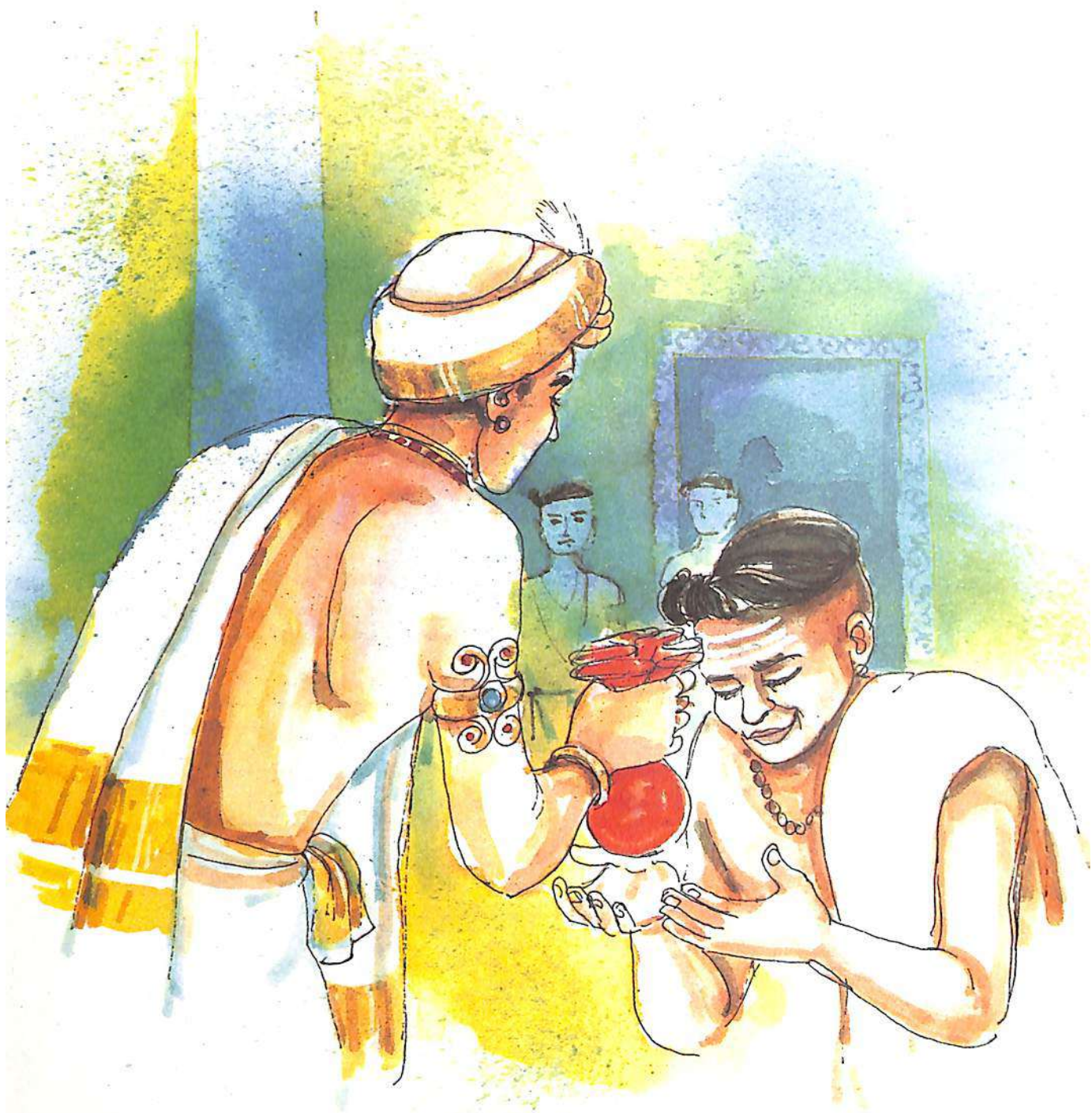
سے ایک دن پہلے تک راجکمار ایک سو پچاس ناریلوں کا پانی پی رہا تھا مگر علاج کے پندرہ دن پورے ہوتے ہوتے اس کی خواہش صرف ایک ناریل کے پانی کی رہ گئی۔ ''اب تک تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔'' نامی نے کہا۔ ''میں ذرا گھر جا کر واپس آتا ہوں۔ کافی دن ہو گئے ہیں گھر سے دور ہوئے......''

جب وید جانے کو ہوا تو راجکمار نے اس کے ہاتھ میں سو روپے تھما دیے۔ نامی نے بغیر کسی احتجاج کے انھیں قبول کیا اور چلا گیا۔

نامی کے جانے کے دوسرے دن سے ہی راجکمار کی پیاس پھر بڑھنے لگی اور وہ اتنی تیزی سے بڑھی کہ ٹھیک پندرہ دن بعد وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں علاج سے پہلے تھا۔ یعنی وہی ایک سو پچاس ناریل پانی روزانہ کی پیاس۔

''مہربانی کر کے ڈاکٹر کو واپس بلاؤ۔'' راجکمار نے اپنے درباری سے منّت سماجت کی۔ ''یہ اب مشکل ہے۔'' درباری نے جواب۔ ''آپ نے اس کے ساتھ پچھلی بار بے ایمانی کی تھی۔

''میری مدد کرو۔'' گڑگڑاتے ہوئے راجکمار نے کہا۔

''میں صرف ایک شرط پر کوشش کر سکتا ہوں۔'' درباری نے کہا۔ ''مجھ سے وعدہ کیجیے کہ آپ نے نامی کو جو سو روپے دیے تھے ان کے علاوہ انھیں ایک ہزار روپے دیے جائیں گے اور یہ رقم انھیں یہاں پہنچتے ہی ادا کر دی جائے گی......ٹھیک ہے نا......؟''

''تم جو کچھ بھی کہو ویسا ہی ہوگا۔'' گڑگڑاتے ہوئے راجکمار نے کہا۔ درباری پھر نامی کے پاس گیا اور اُسے ساتھ لے آیا۔ راجکمار نے وعدے کے مطابق وید کو فوراً ہی رقم ادا کر دی۔ نامی نے تب تک راجکمار کا علاج کیا جب تک راجکمار ٹھیک نہیں ہو گیا۔

~~~~~~~
~~~~~~~

پونتھانم نمبو دری

کیرالا میں ایک رسم ہے، جب بچّے کو پہلی بار ماں کے دودھ کے بدلے کوئی دنیاوی کھانا کھلایا جاتا ہے تو اس رسم کو بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ اس رسم کو کہتے ہیں 'اننا پرسانم'۔

کافی منّتوں اور مرادوں کے بعد پونتھانم نمبو دری کے گھر پہلا بچّہ پیدا ہوا اور وہ بھی لڑکا۔ تب تو ظاہر ہے کہ خوب زور شور سے تقریبات منائی گئی ہوں گی۔

نمبو دری اصل میں شمالی کیرالا کی پہاڑیوں کے رہنے والے برہمن تھے۔ پونتھانم انگدیپ پور گاؤں کا رہنے والا تھا جو آج کے مالاپ پورم ضلع میں ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ سولہویں صدی میں رہتا تھا۔ حالاں کہ وہ ایک برہمن تھا مگر اس کی تعلیم پرائمری کی کلاسوں سے زیادہ نہیں ہوئی تھی۔

نمبو دری کے دوست اور رشتہ دار ان تقریبات میں حصّہ لینے دور دراز سے آئے تھے۔ کچھ لوگوں کا تو باقاعدہ کچھ دن رکنے کا خیال تھا۔

''میں تو اپنا سامان وہاں اس کونے میں رکھوں گا۔'' ایک مہمان نے اندر داخل ہوکر اپنا تھیلا اور دوشالہ کونے میں رکھ دیا۔

اتفاق سے پونتھانم کا وہ چھوٹا سا بچّہ بھی ایک کریم رنگ کے کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کا کنارا پہلے سلک کا تھا، اسے اس کے شفیق ماں باپ نے وہاں لٹا دیا تھا اور یہ سوچا ہوگا کہ جب بچّے کے کھانے کی تقریب شروع ہوگی تو وہیں سے اسے اٹھا لے جائیں گے۔

کیا اس مہمان نے یہ سب جان بوجھ کر کیا؟

یہ کبھی معلوم نہیں ہوسکا، جو معلوم ہے وہ یہ کہ وہ ہلکے سفید رنگ کا دوشالہ جسے اس مہمان نے گردن سے اتار کر ڈالا تھا اس بچّے پر جا پڑا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو دکھائی دینا بند ہوگیا۔

مہمان آتے گئے۔

''ارے...... دیکھو وہ جگہ...... چلو اپنے سامان اس کونے میں رکھ دیں۔''

اور دوشالے پڑتے گئے۔ اور سامان رکھا جاتا رہا۔ اور جلد ہی اس کونے میں خاصا سامان اور دوسری چیزیں جمع ہوگئیں۔

''بھئی اب وقت ہوگیا......'' پجاری نے ماتا پِتا سے کہا۔ ''بچّہ کہاں ہے؟ اسے جلدی سے یہاں لائیے...... وقت گزرا جارہا ہے۔''

فوراً ہی بچّے کی ماں بچّے کی طرف لپکی۔

کچھ ہی لمحوں میں ہوا میں ایک تیز چیخ گونجی جس نے سارے ماحول کی خوشی کو بدل دیا۔

''کیا بات ہے کیا ہوا......؟''

''آخر بات کیا ہے......؟''

''میرا بچّہ...... میرا بچّہ......''۔ ماں چلاّئی۔ ''ارے لوگوں نے میرے بچّے کا کیا کردیا''۔

''مجھے دیکھنے دو۔ مجھے دیکھنے دو۔''

مہمانوں کی اس بھیڑ کو جو ماں کے چاروں طرف جمع ہوگئی تھی، اپنے ہاتھوں سے ایک طرف کرتے آگے بڑھتے ہوئے میزبانی انداز میں کہا۔

مگر دیر ہوچکی تھی۔

اس نے اپنی بیوی کے چہرے کو دیکھا۔ اس کے ہاتھوں میں بے جان بچّہ پڑا تھا۔ بچّے کی آنکھیں

بند تھیں۔ اس کے ماتھے پر پسینے سے جو موتی جیسی بوندیں بنتی تھیں اب نہیں تھی اور نہ ہی سانس لینے کی وجہ سے گال ہلتے تھے وہ بھی اب نہیں ہل رہے تھے۔ وہ حرکت بھی اب تھم چکی تھی۔ پونتھانم کا بچّہ اب سکون سے تھا یعنی مر چکا تھا۔

''بھگوان گرووایورپّا۔'' ماں ان کپڑوں کے ڈھیر پر گر پڑی جس ڈھیر نے بچّے کی جان لی تھی۔

نمبودری پتھر کا ہو گیا تھا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور پتھرائی ہوئی آنکھیں بچّے کے بے جان جسم پر ٹکی ہوئی تھیں اور شاید اس کا دماغ اس حادثے کو تسلیم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جب سارے مہمان چلے گئے اور اس فنکشن کی تمام رونق ختم ہوگئی تو وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں دعا مانگنے کے انداز میں بڑبڑانے لگا۔

''گرووایورپّا! کرشنا! کرشنا......۔''

نمبودری کے ٹوٹے ہوئے دل سے بے اختیار غمناک شعر نکلنے لگے

کرشنا کرشنا مکنڈ جناردھنا
کرشنا گووندا نارایِنا ہرے

اور اس طرح جناپنّا۔ بھگوان کی علاقائی زبان میں تعریف کرنے کا طریقہ شروع ہوا۔

غم میں ڈوبا ہوا باپ پونتھانم جس نے شاید اپنے پہلے بچّے کو دل جان سے چاہا ہوگا اور پالا پوسا ہوگا اب اتنی لگن سے بھگوان کی تعریف کر رہا تھا۔

اس جہاں میں ایک معمولی سی شے ہے زندگی
ناچتی تیرے اشارے پر ہماری زندگی
یا بیٹھا کر پالکی میں جس طرح دلہن چلے
پل میں جی چاہے تیرا تو ختم کر دے زندگی
یا ملائے خاک میں تیری برائی جو کرے
یہ تو تیرا کھیل ہے۔ بھگوان کرشنا ہرے ہرے

حالاں کہ نمبودری ایک پڑھا لکھا آدمی نہ تھا مگر عقل اور اس وقت اس کے فلسفے کی بنیادیں اس کی

دردناک تڑپ میں تھیں نہ کہ تعلیم یافتہ ہونے میں۔

دھیرے دھیرے پونتھانم کی نظموں میں ایک انداز پیدا ہوتا چلا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ شاعری کی تعلیم فلسفے اور اس کے طریقۂ کار میں کچھ الگ اہمیت رکھتی ہو اور نمایاں ہو مگر زبان پر قدرت ہو اور محنت کی جائے چاہے پہلے یا بعد میں تو نظم کا مطلب گہرائیوں تک اترتا چلا جاتا ہے۔

تو کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ کیرالا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مقامی زبان کی نظمیں کئی نسلوں سے گائی اور سنی جارہی ہیں؟ وہ آج بھی سننے والے کو باندھ کر رکھ دیتی ہیں۔

☆ ☆ ☆

اس حادثے نے پونتھانم کی زندگی ہی بدل دی تھی۔اس نے کوددو بود کے کرشنا مندر میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

کرشن پر پونتھانم کا عقیدہ بہت ہی مضبوط تھا اور یہ رشتہ یک طرفہ نہیں تھا۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ کئی معاملوں میں شری ہری نے اپنے عقیدت مند کی طرف سے مداخلت کی تھی۔ ایک ایسا ہی قصہ پونتھانم اور نارائنی ہم کتاب کے تخلیق کار میلپا تھر فرایند بھٹائی ریپڈ سے منسوب ہے۔

میلپا تھر پران اور ویدوں کا عالم تھا۔ وہ سنسکرت ہی لکھتا تھا جو اس وقت کیرالا کے اونچے اور پڑھے لکھے طبقے کی زبان مانی جاتی تھی۔ مختصر یہ کہ پونتھانم کے پاس وہ کچھ بھی نہیں تھا جو میلپا تھر کے پاس تھا۔

جس زمانے میں میلپا تھر اپنی کتاب نارائنی ہم کی تصنیف میں لگا تھا ان ہی دنوں پونتھانم اپنی کتاب سنتا نا گوپالم لے کر میلپا تھر کے پاس گیا اور اسی سے اس کتاب کو پڑھ کر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کو کہا۔

''ارے اس میں کہنے کو ہے ہی کیا......؟'' میلپا تھر نے تنک کر کہا۔ ''تم زبان اور ادب کو کتنا جانتے ہو مجھے معلوم ہے اس لیے مجھے معلوم ہے کہ تم کس قابل ہو......''۔

پونتھانم ٹوٹ گیا۔

''اس میں زبان کی بہت کمی ہے اور یہیں تم پچھڑے ہوئے ہو۔'' میلپا تھر نے کہا۔

بیچارہ پونتھانم گروویور مندر کے ایک کونے میں ہار کر آبیٹھا اور اپنی ناامیدی پر آنسو بہانے لگا۔
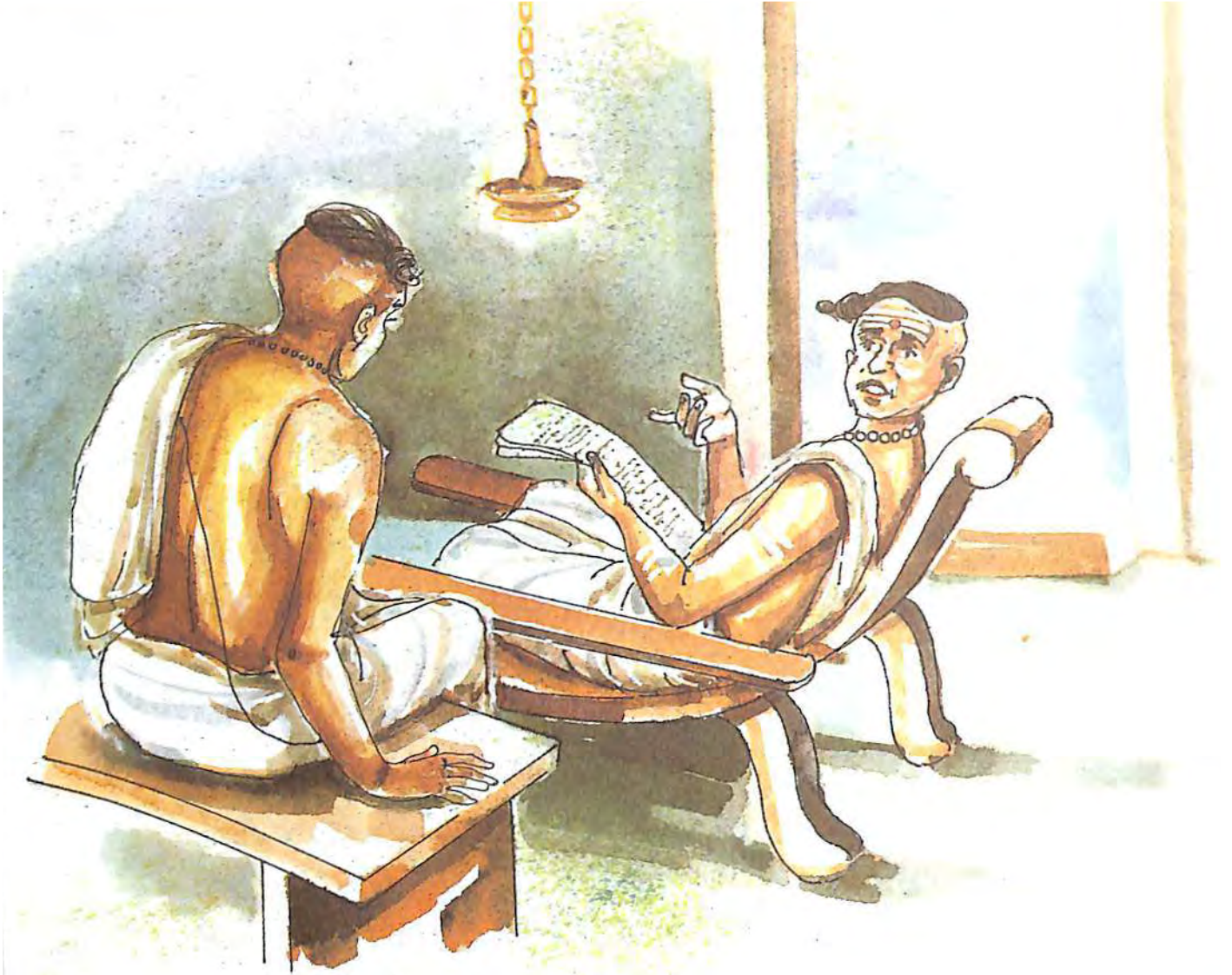
''سنو...... ارے یہ کیا ہے؟ کیسی آواز ہے......؟''

سب سن رہے تھے۔ محویت کا عالم تھا۔ بھگوان گروو ایورپّن کی مورتی سری کے ول سے بارعب آواز ابھر رہی تھی۔

''ہوسکتا ہے پونتھانم علمیت کے اعتبار سے تمھارے مقابلے کا نہ ہو۔'' غیبی آواز نے کہا۔ مگر بھکتی کے لحاظ سے وہ تم سے بہت آگے ہے۔

شرمندہ ہوکر اسی عالم نے پونتھانم کو تلاش کیا۔

''مجھے معاف کرنا میرے دوست۔'' شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے میلپیا تھر نے خجالت سے کہا۔
''مجھے بالکل معلوم نہیں تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔''
''اس طرح کی باتیں مجھے بالکل بھی پریشان نہیں کرتیں۔'' اس سیدھے سادے برہمن نے کہا۔ ''تم بہت پڑھے لکھے آدمی ہو، اسی لیے میں نے تم کو......''
''لائیے مجھے اپنا کام دکھائیے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

میلپیا تھر کی نارایانی ہم اور پونتھانم کی سنتانا گو پالم لگ بھگ ایک ہی وقت میں مکمل ہوئیں۔ لیکن جہاں میلپیا تھر کی نارایِنی ہم ایک علمی کام تھا اور صرف پڑھے لکھے لوگ ہی اس کو سمجھ پاتے تھے وہیں پونتھانم نے عام فہم زبان میں اپنی کتاب لکھی تھی۔ اس کے لکھے ہوئے الفاظ سیدھے عقیدت مند کے دل میں اتر جاتے تھے اور یہ شاعری جب سے لے کر آج تک کیرالا کے لاکھوں لوگ سنتے بھی ہیں اور گاتے بھی ہیں۔

☆ ☆ ☆

کیوں کہ نمبودری گرووپور مندر میں مستقل طور رہائش پذیر تھا اس لیے وہ وہاں کے پڑھے لکھے برہمنوں کے منتر و اشلوک روزانہ ہی سنا کرتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ خود بھی ان اشلوکوں اور منتروں کے تلفظ کو اتنی اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اسے سب زبانی یاد ہو گیا تھا اور اس نے ان اشلوکوں کو گانا بھی شروع کر دیا تھا۔

دھیرے دھیرے پونتھانم وہاں کے لوگوں میں مقبول ہو گیا اور لوگ اس کا ہی بھجن سننے آنے لگے۔ یہ بھجن سری مدبھا بھگوتم کے ہوتے تھے۔ اس کا انداز بہت دل کش تھا اور آسانی سے سمجھانے والا تھا۔

ایسے ہی ایک موقع پر نمبودری کرشنا اور رکمنی کی شادی کا واقعہ بیان کر رہا تھا۔
''اور اس طرح رکمنی نے ایک برہمن کو اپنا خط دے کر سری کرشن کے پاس بھیجا۔''
ایک آدمی نے بیچ میں ٹوکا۔
''ایک منٹ بھائی۔'' ٹوکنے والا بولا۔

''کون سے اشلوک میں لکھا ہے کہ رُکمنی نے ایک خط دے کر برہمن کو بھیجا تھا؟''۔

پونتھانم لاجواب ہوگیا کیوں کہ سارے اشلوک خود اس کے اپنے تھے۔ اس نے کسی موضوع کو سمجھنے کا ایک غیر رسمی طریقہ اختیار کیا تھا۔

مگر کرشن خود اپنے بھگت کی بے عزتی کیسے برداشت کرتے۔

اب جب پونتھانم کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا اور وہ خاموش تھا تبھی سری کووِل کرشنا کی مورتی سے آواز ابھری ''کیا کوئی ایسا اشلوک ہے جس میں کہا گیا ہو کہ مجھے کوئی خط نہیں بھیجا گیا......؟ جب وہ برہمن میرے پاس آیا تھا تو وہ رُکمنی کا ایک خط بھی ساتھ لایا تھا''۔

☆ ☆ ☆

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پونتھانم نمبودری کی عزت گرووویور مندر میں رہنے والے تمام برہمنوں سے زیادہ ہونے لگی۔ اس کی عزت اتنی ہونے لگی کہ کھانے کے اوقات میں برہمنوں کی سب سے اونچی نشست پر پونتھانم بٹھایا جانے لگا اور کسی نے بھی اس بات پر اس کی مخالفت نہیں کی۔

ایک دن مندر کے ناظم نے ایک بیرونی عالم کو اس عزت والی جگہ پر بٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے سے بے خبر پونتھانم اس جگہ جا بیٹھا جہاں وہ روز بیٹھتا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' ناظم نے بگڑے انداز میں پوچھا۔

''تمھیں معلوم نہیں ہے کہ آج ہمارے ساتھ ایک بہت ہی عزت مآب ہستی موجود ہے؟۔''

''ارے یہ تو وہی جگہ ہے جہاں میں روز بیٹھتا ہوں۔'' اس سیدھے سادے آدمی نے احتجاج کیا۔

''ختم کرو۔ تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟ ......تم ہو کیا......؟ تم تو ہمارے مہمان کے لیے ایک شمع بھی نہیں پکڑ سکتے۔ باہر نکلو!''

''لیکن......۔''

پونتھانم کی تمام اپیلیں بے سود گئیں۔ اسے بے عزّتی کے ساتھ باہر نکال دیا گیا۔ دل برداشتہ ہوکر اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک سیدھا سچا انسان ہے اور اسی لیے اس کی اتنی بے عزّتی کی گئی۔ ایک

بار پھر گرووایورپّن نے مداخلت کی۔

میرے بچے دن گزری روحوں کے ساتھ اسے ایک لمحہ مت گزارنا۔ گرووایورپّن کی طرف سے حکم صادر ہوا۔

''اب تم کو یہاں ایک بار بھی واپس آنے کی ضرورت نہیں ہے میں تم سب کو تمھارے گھر پر ہی مل لیا کروں گا۔''

پونتھانم اپنے گھر چلا گیا اور دل ہی دل میں یہ طے کرلیا کہ میں تب تک روٹی پانی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا جب تک بھگوان خود نہیں آتے۔ کیا شری کرشن نے اپنے بھگت کو ناامید کیا؟ وہ خود پونتھانم کے پاس پہنچ گئے جیسے انھوں نے اس سے وعدہ کیا تھا۔

پونتھانم نے ٹھیک اسی جگہ ایک عبادت گاہ بنائی جہاں بھگوان نے درشن دیے تھے اور اپنے بچے کھچے دن کرشنا کی یاد میں گزارنے لگا۔

اور بھگوان کی کرپا سے نمبودری وہاں رہ کر خوب پھولا پھلا۔ اس نے کافی لمبی اور خوشیوں سے بھرپور عمر گزاری۔ عزّت، شہرت و دولت کے باوجود اس کا دھیان اپنے بھگوان کی طرف ہی مائل رہا۔

آم کا اچار

کیرالا کے گھروں میں بھی آم کے اچار کو اتنا ہی پسند کیا جاتا ہے جتنا کہ ہندستان کے دوسرے علاقوں میں۔ پھلوں کے راجہ آم کا ایک ٹکڑا جس کو نمک، مرچ، تیل اور دوسرے مسالوں سے ملا کر بنایا گیا ہو کھانوں میں بڑے مزے سے کھایا جاتا ہے۔ اچار بنانے والوں میں پاندام پرم بو کے رہنے والے ایک برہمن گھرانے کا اچار سب سے اچھا ہوتا ہے۔ چھوٹے منہ والے مرتبان میں بنایا جاتا ہے۔ اسے 'چائنا چار' (چینی کا مرتبان) کہتے ہیں۔

صوبہ ٹراونکور کی راجدھانی میں ایک مذہبی عبادت کے بعد وہاں کا راجہ مندر سے واپس لوٹ رہا تھا۔ چولتری کے باہر جہاں برہمنوں کو کھانا کھلوایا جاتا ہے، برہمن قطار میں بیٹھے تھے اور کھانا کھا رہے تھے۔ دو برہمن کھانا کھاتے میں باتیں کرتے جاتے تھے۔

''بھئی مجھے تو آج تک ایسا کھانا ملا ہی نہیں...... کیا تم نے کبھی ایسا کھانا کھایا ہے؟''

''ہوں...... نہیں۔ ہر چیز بہت مزے کی ہے۔'' دوسرے نمبودری نے جواب دیا ''سب کچھ بڑھیا ہے سوائے آم کے اچار کے۔''

''کیا مطلب......؟ کیوں اچار میں کیا خرابی ہے؟''

''نہیں کوئی خرابی تو نہیں ہے لیکن...... اب دیکھو نا...... اچاروں کا راجہ نہیں ہے۔''

''بس......؟''

''کیا کہنا چاہتے ہو تم......؟''

''میرا مطلب ہے اس اچار سے جو چھوٹے منہ والے جار (چینی کا مرتبان) میں بنتا ہے۔ پانڈم پارمبو کا سب سے لاجواب اچار...... معلوم ہے نا تمھیں......؟'' مہاراجہ نے یہ سب سن لیا۔ جیسے ہی وہ واپس محل پہنچے انھوں نے اپنے خاص خفیہ پولیس کے آدمی کو طلب کیا۔

''پانڈم پارمبو جاؤ۔'' راجہ نے کہا۔ ''اور وہاں کے چھوٹے منہ والے جار کا کچھ آم کا اچار لے کر آؤ۔ جلدی کرو۔ اور ہاں کسی سے کچھ نہ کہنا۔''

جب اگلی تقریب ہوئی تو مہاراج نے اور لذیذ اچاروں کے ساتھ اس آم کے اچار کے ٹکڑے بھی برہمنوں کو کھانے میں دلوائے۔ شام کو مندر سے پوجا کر کے لوٹتے وقت راجہ نے ان برہمنوں کو تلاش کرلیا جن کے جملے پچھلی بار اس کے کانوں میں پڑے تھے۔

وہ برہمن اسی طرح اپنے پڑوسی برہمن سے بات کررہا تھا۔ مہاراج نے بے چینی سے آگے جھک کر اس کی بات سننے کی کوشش کی۔

وہ برہمن جو ذائقے کا ماہر تھا وہ کہہ رہا تھا ''ہوں...ں...اب واقعی یہ اچار ہے جسے میں اچار کہتا ہوں۔''

''اچھا......؟'' دوسرے برہمن نے تعجب سے پوچھا۔ ''وہ کیسے؟......؟''

''یہ ہے راجہ اچاروں کا۔'' اس کھانوں کے مبصر نے ایک ٹکڑا اچار کا اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ آم اسی مڑے ہوئے منہ والے مرتبان کا ہے۔''

مطمئن مہاراجہ نے آگے آکر کہا۔

''آپ جیسے صاحبِ ذوق بہت کم ہوتے ہیں۔'' راجہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میری مبارک باد قبول کیجیے۔''

''راجہ......راجہ ہی ہوتا ہے عزّت مآب۔''

☆ ☆ ☆

اس مڑے ہوئے منہ والے چینی کے مرتبان کی اپنی ہی ایک تاریخ ہے۔ کافی عرصہ پہلے ایک چینی تاجر نے اپنے جہاز میں تجارت کے لیے سامان جمع کیا اور ہندستان کی طرف آیا تاکہ وہاں کے بازاروں

ہیں اسے بیچ سکے۔ جب وہ جہاز ہندستان کے ساحل کے قریب پہنچا تو اچانک ایک طوفان میں پھنس گیا۔ جہاز تباہ ہوگیا اور عملے کے زیادہ تر لوگ ڈوب گئے۔ چند لوگ جو عرشے پر تھے، جن میں مالک بھی شامل تھا، بڑی مشکل سے جان بچانے والی کشتیوں پر چڑھ پائے اور جان بچائی۔

بظاہر دوامی زندگی پانے والے تاجر کی چھوٹی کشتی ایک ساحل پر جالگی۔ زخمی، تھکاماندہ اور ادھ مرا سا وہ تاجر خشکی پر اُتر آیا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ کب سے وہ اس سمندر میں بھٹکتا رہا ہے اور اب وہ کہاں پر ہے۔ بس وہ ہر چیزیں اسے محسوس ہورہی تھیں۔ ایک تو بھوک اور دوسری پیاس۔

''مجھے پانی اور کھانا تلاش کرنا ہوگا۔'' اس نے سوچا۔ ''یا پھر اس زمین پر ختم ہوجاؤں گا۔ مگر میرے مرتبان......!''

چینی کے دس مرتبان جو اس نے اپنی کشتی میں رکھ لیے تھے، معجزاتی طور پر اب بھی وہاں موجود تھے۔ اسے اپنی کشتی اور سارا سامان وہیں چھوڑنا تھا۔ کم سے کم کچھ وقت کے لیے تو ضرور ہی۔ بڑی مشکل سے وہ وہاں سے ہٹا۔ اسے کسی زندہ انسان کی تلاش تھی اور وہ بھی بہت جلد۔ اس کی قوت جواب دے رہی تھی۔

اچانک دور سے کچھ دکھائی دیا۔ وہ رُک گیا...... وہ کیا ہے؟ ایک مکان......؟ یا پھر اس کی آنکھیں دھوکا کھارہی تھیں......؟ اسے اسی طرف چلتے رہنا چاہیے۔

کچھ ہی دیر میں وہ اس دروازے پر تھا جو کسی کی رہائش گاہ تھی۔ وہ گھر تو نہیں لگتا تھا کیوں کہ اس کی دیواریں بوسیدہ تھیں اور چھت لگ بھگ گرچکی تھی۔ مگر تھا گھر ہی اور گھر ہوتا ہے انسانوں کے لیے۔ کسی قدر طاقت بٹور کے وہ بولا ''ارے کوئی ہے۔ کوئی ہے یہاں پر۔'' وہ گھر کسی برہمن کا تھا۔

اس گھر کے مکینوں نے اچھے دن بھی دیکھے تھے۔ جب وہ تاجر اس دروازے پر پہنچا تھا تو اس گھر کا برہمن اس کی بیوی اور بچے اپنا روزمرہ کا کھانا چاول اور شوربہ کھانے میں مصروف تھے۔ جیسے ہی بیوی نے کھانا نکالنے کے لیے چمچہ بھگونے میں ڈالا انھیں، مدد کے لیے کسی کی آواز یکا یک سنائی دی۔

''ٹھہرو۔'' شوہر نے کہا۔ ''یہ کیسی آواز ہے؟ میرا خیال ہے باہر کوئی ہے۔ میں ذرا دیکھ لوں۔''

برہمن تیزی سے باہر آیا۔

''کون ہوتم......؟'' ایک بھکاری سے لگنے والے شخص کو اپنے دروازے پر کھڑا دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ وہ شخص اپنے چہرے اور کپڑوں سے کوئی بیرونی آدمی لگتا تھا۔

''مدد کرو۔'' وہ اجنبی گڑگڑایا۔ ''میں بھوک اور پیاس سے مر رہا ہوں۔''

''کون ہوتم......؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو......؟''

''پانی۔ کھانا......مہربانی کرو......!''

''آؤ اندر آؤ۔'' برہمن نے آگے بڑھ کر اس اجنبی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اندر چلنے کو کہا۔ اسے وقت کی نزاکت کا اندازہ ہوگیا تھا۔ یہ وقت باتوں کا نہیں تھا۔ تعارف تو بعد میں بھی ہوسکتا تھا۔ وہ شخص شاید مرنے کے قریب تھا۔

برہمن نے اس مہمان کی مدد کی۔ آدھا گھسیٹتا ہوا وہ اسے گھر کے اندر لایا۔ بیوی اور بچّے ان دونوں کے چاروں طرف جمع ہوگئے۔

''یہ سب کیا ہے......؟''

''کون ہے یہ......؟''

''خاموش......سب چپ رہو۔'' گھر کے مالک نے کہا۔ ''پہلے انھیں سانس تو لینے دو۔ ان کے لیے کرسی لاؤ......وہاں دیکھو۔ اور کھانا کہاں ہے۔ ہاں یہ لو۔ کھاؤ دوست...... اِس سے تمھیں آرام ملے گا۔''

مہمان نے کھانا اس طرح کھایا جیسے اسے کئی دنوں سے کھانا دیکھنے تک کو نہ ملا ہو۔ وہ تب تک کھاتا رہا جب تک کہ ایک ایک دانہ ختم نہیں ہوگیا۔

''آہہہہ......'' اس نے کھانا کھا کر اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے جسم میں کھانا پہنچتے ہی توانائی نے اپنا کام کیا اور اس کی آنکھوں کی چمک بھی بڑھ گئی۔

''بہت ہی ذائقہ دار تھا۔''

''میرے دوست یہ تو بہت معمولی سا کھانا تھا۔'' صاف گوئی سے مسکراتے ہوئے میزبان نے کہا۔ ''میں ایک غریب آدمی ہوں۔ بس یہی تھا جو میں آپ کو دے سکا۔''
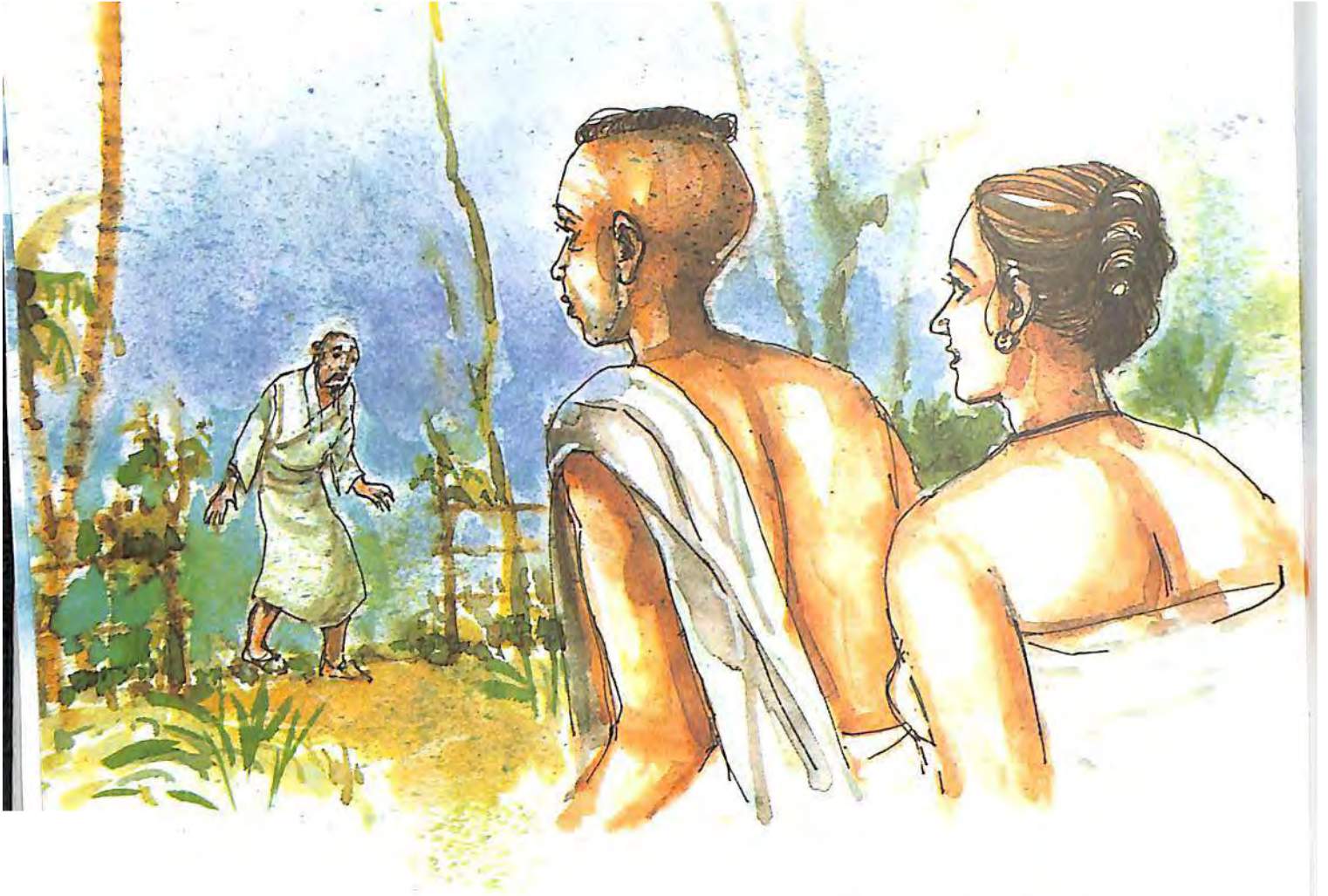
''ارے ایک بھوک سے مرتے ہوئے آدمی کے لیے کسی بھی طرح کا کھانا عمدہ ہوتا ہے اور پھر انسانی ہمدردی سے زیادہ تو کسی اور چیز کا ذائقہ ہے ہی نہیں میرے دوست۔ میں اس وقت اپنے آپ کو ایک نیا انسان پا رہا ہوں۔ پہلے سے ہی......''

''مجھے خوشی ہے آپ اپنے آپ کو پہلے سے بہتر محسوس کر رہے ہیں۔ اب بتایئے آپ کون ہیں؟ آپ یہاں کیسے آئے؟ آپ اسی علاقے کے رہنے والے تو لگتے نہیں......''

''بالکل ٹھیک کہا جناب آپ نے۔ میرا وطن چین ہے۔ میں اپنے جہاز میں تجارت کرنے وہاں سے چلا تھا اور راستے میں سمندری طوفان میں گھر گیا۔ میں کسی طرح لائف بوٹ میں جان بچا کر نکل پایا۔ میرے خیال سے میرے زیادہ تر لوگ ختم ہو گئے ہوں گے۔ بیچارے...... خدا ان کی روح کو سکون بخشے۔''

''اب آپ کیا کریں گے جناب؟''

''میرے پاس تجارت کے لیے کچھ نہیں بچا۔ میں سمجھتا ہوں مجھے اب اپنے ملک واپس چلا جانا چاہیے۔'' کندھے اچکاتے ہوئے مہمان نے کہا۔ ''مگر میں خدا نے چاہا تو واپس آؤں گا اور میں بھرپور کوشش کروں گا کہ اس ہمدردی کے بدلے آپ کی کچھ مدد کرسکوں جو آپ نے ایک بے یار و مددگار، تباہ شدہ جہاز کے غیر ملکی سے کی ہے۔''

''ہم تو بس بھگوان کا ایک وسیلہ بنے ہیں۔ میرے دوست میں نے تو اپنا فرض نبھایا ہے۔''

''آپ نے میری جان بچائی ہے یہ کم نہیں ہے۔'' مہمان نے گردن ہلا کر کہا۔ میں ایک چیز کے لیے آپ سے اور عرض کرسکتا ہوں جناب......''

''وہ کیا......؟''

''میری کشتی پر دس چینی کے مرتبان رکھے ہیں جو میں بڑی مشکل سے اپنے جہاز سے نکال پایا تھا۔ وہ بہت وزنی ہیں۔ میں ان کو واپس چین نہیں لے جاسکتا۔ مجھے تو اب کسی بندرگاہ کی طرف جانا ہے اور کوئی جہاز پکڑنا ہے جو مجھے میرے گھر پہنچادے۔ اگر میں یہ مرتبان آپ کی حفاظت میں چھوڑ جاؤں تو......؟''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں دوست۔'' نرمی سے برہمن نے کہا۔

''اگر ان میں کوئی قیمتی چیز نہ ہوتو۔ کیوں کہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میرا مکان اس قابل نہیں کہ کسی قیمتی چیز کی حفاظت کرسکوں۔''

برہمن نے ان دس چینی کے مرتبان کو اٹھا کر اپنے گھر لانے میں مدد کی۔ مالک نے ان مرتبان کے منہ کو اچھی طرح بند کرکے مہر بند کردیا۔

''ان مرتبانوں کی وجہ سے پریشان نہ ہونا، ان میں صرف دال ہے۔'' اس چینی تاجر نے اپنے میزبان کو یقین دلایا اور پھر چلا گیا۔

''گھر میں چاول کا ایک دانہ بھی نہیں ہے۔'' بیوی نے اپنے شوہر سے کہا۔ ''دال اور سبزی کی بات تو چھوڑو۔''

''اب ہم کیا کریں۔'' کوئی نجات کا راستہ نظر نہ آتا دیکھ برہمن نے کہا۔ ''میں اپنے بچّوں کی اِس

بُری حالت کو اور برداشت نہیں کرسکتا۔''

''اگر ہم نے کہیں سے فوراً کھانے کا انتظام نہیں کیا تو میرے پیارے بچّے جلدی ہی مرجائیں گے۔''

''میں کیا کروں......؟ میں ہر اُس شخص سے ادھار لے چکا ہوں جو مجھے پیسہ یا اناج دے سکتا تھا، میں ایک برہمن ہوں کوئی بھکاری نہیں......!''

''ذرا رکو......''۔ اس کی شریکِ حیات نے اچانک روکا۔ ایک خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''وہ مرتبان......!''

''مرتبان......! کیا مطلب ہے تمھارا......؟''

''یاد کرو۔ اس چینی نے کیا کہا تھا......؟ ان مرتبانوں میں......۔''

''نہیں......۔''

''ہاں دال! اگر ہم تھوڑی سی......۔''

''اے عورت تیرا منشا کیا......؟۔''

''میں صرف اپنے بھوکے بچّوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں...... مہربانی کرو! اِن مرتبانوں میں کھانا ہے۔ ارے ہمارے ہی گھر میں! اور ہم اپنے بچّوں کو بھوک سے مرتا دیکھ رہے ہیں......!''

''ہم ان مرتبانوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''یہ تو اس کے اعتماد کو دھوکا دینا ہوا...... ایک گناہ......!''

''اور کیا یہ گناہ نہیں ہے کہ ہم اپنی ہی آنکھوں کے سامنے اپنے بچّوں کو ختم ہوتا ہوا دیکھیں؟ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور ان کی کوئی مدد نہ کریں۔''

''اس چینی نے ہم پر بھروسہ کیا تھا...... ہمیں اس کے یقین کو ٹھیس نہیں پہنچانی چاہیے۔''

''ارے یہ دھوکا دینا نہیں ہے...... یہ تو ضرورت ہے......۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیا۔ ''وہ سمجھ لے گا۔ کیا وہ نہیں سمجھے گا؟ اس نے تو خود بھوک کے جبڑوں کو دیکھا؟ کیا تم وہ سب باتیں بھول گئے...... وہ وقت بھول گئے کیا؟۔''

''وہ تو ٹھیک ہے...... مگر یہ پھر بھی ایک گناہ ہے......۔''

''ان مرتبانوں کے چند مٹھی دال کے دانے ان بچّوں کو بچا سکتے ہیں۔ اور پھر بعد میں اتنا ہی چینی کے آنے سے پہلے اس میں واپس ڈال دیں گے۔ دیکھو مہربانی کرو!''

''ہوں......ٹھیک ہے......اگر تم مجبور کرتی ہو تو......'' برہمن نے جواب دیا۔ وہ ابھی بھی جو کر جا رہا تھا، مطمئن نہیں تھا۔

''ہے بھگوان! اگر میں گناہ کر رہا ہوں تو بھی تو جانتا ہے کہ ہماری ضرورت کیا ہے۔'' برہمن نے مرتبان کے منہ پر لگی مُہر توڑ دی۔ جیسے ہی اس نے مرتبان کے بھاڑ سے کھلے منہ میں ہاتھ ڈالا دال کے دالوں کے نیچے کچھ محسوس ہوا۔ الجھے ہوئے انداز میں ایک ہاتھ باہر نکالا اور غور سے دیکھ

''ارے یہ سب کیا ہے......؟ یہ سب دال تو ہے نہیں۔'' اس کا تجسّس بڑھا۔ پھر وہ برہمن اس مر کو اندھیرے حصّے سے کھینچ کر سائبان میں لے آیا تاکہ روشنی میں مرتبان کے اندر کی چیز کا ٹ طرح معائنہ کر سکے۔

اس نے پھر ہاتھ میں لی ہوئی چیز کا معائنہ کیا اور اسے گھورنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں دال تھی وہاں کچھ اور بھی تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ چیز چمک رہی تھی اور برہمن کی آنکھیں بے یقینی سے دھندلکے میں بھی اس چمچماتی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔

وہ بھی آ گئی اور اس چیز کو دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئی۔

''یہ تو سونا ہے......! سونے کے سکّے......!''

''اس کا کیا مطلب ہوا؟'' اس کی بیوی نے کہا تھا کہ......''ذرا اور مرتبانوں کو دیکھیں۔''

ہر مرتبان میں سونے کے سکّے تھے۔ بے پناہ دولت۔ اتنی دولت کہ دونوں نے کبھی تصوّر یا خو میں سوچا بھی نہیں تھا۔ ہر مرتبان میں سونے کے اوپر دال کی ایک پتلی سی پرت بچھا دی گئی تھی سونا چھپا رہے۔

''ارے......اس سب کا ہم کیا کریں گے؟''

''آپ میری ایک بات سنیں گے......اگر میں آپ کو ایک مشورہ دوں تو؟''

''بیوی......کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے میرا ایمان خراب ہو۔''

''آپ کا دھرم اس وقت کیا ہے......؟ آپ کا سب سے بڑا فرض اس وقت بچّوں پر دھیان دینا ہے۔آپ ایک باپ پہلے ہیں۔ایک گھر ہے۔ایک خاندان ہے آپ کا۔''

''تمھارا کیا مطلب ہے؟۔''

''میں کہتی ہوں کہ ہم ان سکّوں میں سے کچھ نکال لیں۔ کچھ اچھے کپڑے خرید لیں، سامان خریدیں۔''

''ہم پر بے ایمانی سوار ہے۔'' اس نے تنبیہ کے انداز میں کہا۔ ''یہ پیسہ ہمارا نہیں ہے، اسے ہمارے اوپر بھروسا کر کے حفاظت کرنے کے لیے رکھا گیا ہے۔''

''معلوم ہے مجھے...... مجھے معلوم ہے یہ اُس چینی کا ہے۔ کیا ہم نے اس کی ضرورت کے وقت اس کی مدد نہیں کی تھی؟ مجھے یقین ہے وہ اس بات کا بالکل بھی بُرا نہیں مانے گا۔ اگر ہم اس کے پیسے میں سے کچھ اپنے اوپر خرچ کر لیں گے اور پھر اس پیسے کا صحیح مصرف اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔'' بات یہ نہیں ہے اے عورت! یہ تو اصول کی بات ہے، بھروسے کا اصول۔''

''مگر میں یہ بات نہیں کہہ رہی کہ ہم یہ سب لے لیں۔ بس تھوڑا سا۔ اور تم تجارت بھی شروع کر سکتے ہو۔ اور پھر اگر بھگوان نے چاہا تو تم خوب کما کر اسے واپس بھی کر سکتے ہو۔''

سودسمیت اپنی بیوی کی بات میں تقویت پیدا کرتے ہوئے برہمن نے ٹکڑا لگایا اور خود ہی اپنے الفاظ کو معنی دینے کی کوشش کرنے لگا۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

''بھگوان مجھے اس امانت میں خیانت کرنے سے معاف کرے۔'' اس نے دعا کی اور آخر ایک نتیجے پر پہنچ ہی گیا۔

''گروو ایور پا......آپ تو سب دیکھ رہے ہیں۔ آپ کو سب کچھ معلوم ہے انتر جنم نے کہا۔''

ہماری عزّت اور آبرو تمھارے ہاتھ میں ہے پھر اس خدائی امداد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے برہمن نے اپنے گھر کے کھوئے ہوئے وقار کو واپس لانا شروع کیا۔ اس نے اپنے خاندان کے لیے ہر اس آسائش کا بندوبست کر لیا جو پیسے سے خریدی جا سکتی تھی۔ اس نے ایک تجارت بھی شروع کی۔ تجارت خوب پھولی پھلی اور وقت گزرنے کے ساتھ وہ برہمن ایک امیر آدمی بن گیا۔ سالانہ آمدنی میں اُس کو بارہ ہزار روپے کا منافع ہوا۔

لیکن اس کامیاب برہمن نے اپنی اس شان وشوکت کی وجہ کبھی نہیں بھلائی۔ اس منافعے میں سے اُس نے وہ دولت واپس ان مرتبانوں میں ڈالنی شروع کردی جس کی وجہ سے وہ اتنا امیر بنا تھا۔ جب مرتبان بھر گئے تو اُس نے اُن پر پھر سے مُہر لگادی۔ پھر وہ دس اور مرتبان لایا جو پہلے والے مرتبانوں کے مقابلے آدھے تھے۔ پھر ان کو بھی سونے کے سکّوں سے بھرنے لگا۔ وقت گزرا اور وہ چھوٹے مرتبان بھی بھر گئے اور اس نے ان کو بھی مہر لگا کر رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆

''ہیلو!''

''کون ہو بھائی؟'' برہمن نے کتابوں پر سے نظر اٹھا کر اوپر اُس آواز کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں دروازے پر کھڑے اُس شخص پر پڑیں۔ اس مہمان میں شناسائی کی جھلک تھی۔ وہ جلدی سے دروازے کی طرف گیا۔

''یہ میں ہوں بھائی۔ اس اجنبی نے کہا اور عالی شان مکان پر نظر دوڑائی۔ پہلے تو میں تمھارے مکان کو پہچان ہی نہیں پایا۔ یہ تو بالکل بدل گیا ہے اب پہچان میں ہی نہیں آتا۔''

''آ آپ!'' برہمن اس چینی کو پہچان کر حیرت اور مسرت سے چلّایا ''جو بارہ سال پہلے آیا تھا یہ آپ ہیں جناب!''

''ہاں دوست میں ہی ہوں اور مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہورہی ہے کہ آپ نے بھی ان بارہ سالوں میں خوب ترقی کی ہے۔''

شاید چینی آدمی کے انداز میں تھوڑا سا طنز تھا یا شاید وہ سب ایک دکھاوا ہی ہو کیوں کہ وہ جب اب سے لگ بھگ ایک دہائی پہلے یہاں سے گیا تھا تو یہ گھر ایک کھنڈر تھا اور خاندان بکھرا تھا۔ اس نے دل میں سوچا ہوگا کہ اس ترقی کے پیچھے شاید ان چینی کے مرتبانوں میں رکھی چیز ہی ذمے دار ہے جسے وہ یہاں حفاظت کے لیے چھوڑ گیا تھا۔

سب کچھ چھوڑ کے میزبان نے کہا۔ ''آیئے۔ اندر آیئے۔ آپ کتنی دور سے آئے ہیں۔ کھایئے پیجیے۔ کچھ دیر آرام کیجیے اور ہم لوگ بات چیت کریں گے۔'' پھر انھوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد گفتگو کا موضوع اس طرف مڑ گیا جس کے لیے وہ چینی آدمی یہاں آیا تھا۔

''مجھے معلوم ہے۔ مجھے معلوم ہے۔ آپ کے مرتبان حفاظت سے رکھے ہیں جیسے آپ چھوڑ گئے تھے۔''

پھر برہمن نے وہ چینی کے دس مرتبان اُن کے مالک کے سامنے منگوائے اور پھر اس چینی آدمی کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان بڑے مرتبانوں کے مقابلے ان کے آدھے قد کے دس اور مرتبان لائے گئے۔

تاجر نے ان مرتبانوں کی سیل کھولی اور اپنی دولت کی جانچ پڑتال کی۔ پھر سب طرف سے مطمئن ہوکر وہ اپنے میزبان کی طرف مُڑا۔

''جناب میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں کہ آپ نے ان کی حفاظت کی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' برہمن خجالت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''مگر میں آپ کے سامنے ایک بات صاف کرنا چاہتا ہوں دوست۔''

''وہ کیا جناب......؟'' چینی آدمی اپنے آپ سے بہت خفا نظر آیا کیوں کہ اُس نے اس آدمی پر شک کیا تھا جس کا اُس سے کچھ لینا دینا نہیں تھا بلکہ اُلٹا اس برہمن نے اس کی جان بچائی تھی جب کہ اُس کی موت یقینی تھی۔

''میں نے آپ کے مرتبان میں رکھے سونے سے اپنی مدد کی ہے۔'' جیسے ہی برہمن نے اپنا بُرا وقت یاد کرتے ہوئے بات بتائی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں کہ کس طرح اس نے دھرم کے مخالف کام کیا تھا۔

''مجھے معلوم ہے میں نے گناہ کیا تھا۔ میرے دوست اس وقت ہم بہت مجبور تھے۔ بچّے بھوک سے مر رہے تھے۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں جناب۔ بھوک کا کیا مطلب ہے مجھے معلوم ہے۔ میں وہ وقت کیسے بھول سکتا ہوں جب آپ جیسے مہربان نے میرے پیٹ کی آگ بجھائی تھی۔ مجھے بھوکوں مرنے سے بچایا تھا اور پھر کوئی بات نہیں سارا سونا یہاں ہے ہی۔ اگر آپ اس سونے کی مدد سے پھلے پھولے ہیں تو یہ آپ کی قسمت کا کرشمہ ہے۔''

آپ میرے قرض دار بالکل نہیں ہیں یہ تو میں ہوں جو آپ کا قرض دار ہوں۔ آج میرا جو کچھ بھی ہے وہ سب آپ کا ہے۔''

''یہ جو چھوٹے دس مرتبان ہیں یہ اس پیسے کا سود ہے جو میں نے قرض نکالے تھے۔'' برہمن کہتا رہا۔ ''یہ بھی لے لیں۔''

''نہیں۔'' چینی آدمی نے گردن نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو مجھ کو کچھ نہ کچھ آپ کو دینا ہے جس نے بارہ سالوں تک ان مرتبانوں کو سنبھال کر رکھا۔''

''ارے یہ تو میرا فرض تھا دوست۔ مہربانی کر کے یہ لے لو۔ یہ میرے دل پر ایک بوجھ ہے۔''

''کبھی نہیں۔ اس کے برعکس آپ مجھے ایک چھوٹا سا تحفہ دینے کی اجازت دیں گے۔'' اُس غیر ملکی نے کہا۔ ''یہ دیکھیے یہ آپ کے لیے ہے۔'' بڑے احترام اور طمطراق سے اس نے برہمن کو ایک بٹیل (Betel) پتّہ، پھول اور اپنے پاس سے ایک مرتبان دیا۔

''یہ کیا ہے...... یہ میں نہیں''

''آپ کو لینا ہے۔'' مہمان نے زور دیا۔ ''یہ چیزیں ہماری تاحیات دوستی کی ایک نشانی ہیں۔ یہ مرتبان اور مرتبانوں کی طرح نہیں ہے۔ یہ ان سب سے الگ ہے۔''

یہ چینی کا مرتبان واقعی اور مرتبانوں کی طرح نہیں تھا، اس کا منہ بہت چھوٹا تھا۔

''لیکن......''

''میں درخواست کرتا ہوں۔'' چینی کہتا رہا۔ ''اس مرتبان کو لیجیے اور حفاظت سے رکھیے۔ جب تک یہ آپ کے گھر میں رہے گا کوئی بھی ناگہانی آفت آپ کے خاندان پر نہیں آئے گی اور ہاں ایک چیز اور......''

''وہ کیا......؟''

''کوشش کریں کہ اس میں آم کا اچار پڑتا رہے۔ ان کا ذائقہ تمام ذائقوں سے الگ ہوگا جو آپ نے آج تک چکھا ہی نہ ہوگا۔''

''کیا واقعی؟''

''بالکل...... کر کے دیکھیے۔''

اور اس طرح چھوٹے منہ والا مرتبان برہمن کے تصرّف میں آ گیا اور اس کی آنے والی نسلوں میں رہا اور آج تک بھی ہے۔

ارک کال بی بی

جنوبی کیرالا کی طرف مالا بار کے چند مشہور شاہی خاندانوں میں کولاتری کے حکمرانوں کا نام بھی کافی مشہور ہے۔ ان راجاؤں نے ازہی مالا کی پہاڑی پر بنے اپنے محل سے حکومت کی۔ یہ پہاڑی آج کے کنور قصبے سے لگ بھگ بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اس محل کے کھنڈرات آج بھی وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ کولاتری کے شاہی گھرانے کے لوگ اور بھی دوسرے محلوں میں جابسے۔

اسی سلسلے کا ایک خاندان جو ارک کال کے نام سے جانا گیا کنور میں جابسا اور مشہور ہوا۔

ازہی مالا پہاڑ کی ترائی میں ایک اور بڑا محل ہے جو میدانوں میں بنایا گیا، بہت سے برہمن اور نایر لوگوں کے مکان اس محل کے چاروں طرف بن گئے۔

کچھ ہی دور مسلمانوں کی بستی تھی۔ وہ لوگ جنگجو تھے اور کافی خوش حال تھے۔ محل کی دیواروں کے پاس سے ہی ایک دریا بہتا تھا۔ دیوار کے ایک شگاف سے ہی سیڑھیوں کا سلسلہ نیچے پانی تک چلا گیا تھا جو اس شاہی خاندان کے لوگوں کے نہانے کا گھاٹ بن گیا تھا۔

ایک دن دو نوجوان لڑکیاں اس محل سے نہانے کے لیے نیچے گئیں۔ یہ دونوں بہنیں تھیں، زندگی کی امنگوں سے بھرپور یہ سولہ سے اٹھارہ سال کی لڑکیاں دریا میں سرمستیوں میں مصروف ہوگئیں۔

پانی ٹھنڈا تھا، دن خوش گوار اور جوانی شباب پر تھی۔ ان لڑکیوں نے پانی میں زیادہ ہی وقت گزار دیا۔ اتنا کہ ان سے اس کی امید بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ ظاہر ہے لڑکیاں تھک گئیں۔

''اب ہمیں کنارے پر چلنا چاہیے۔'' چھوٹی بہن نے کہا۔ ''کافی دیر ہوگئی ہے، بس میں تو نہا چکی۔''

''تھوڑی دیر اور بہن۔'' بڑی لڑکی نے کہا۔ ''دیکھو اس دریا میں کتنا اچھا لگ رہا ہے، میں تو یہاں پورے دن رہ سکتی ہوں۔''

''بہتر یہی ہے کہ ہمیں وہ نہیں کرنا چاہیے جو ہمارے لیے اچھا نہ ہو۔ میں تو پانی سے باہر جارہی ہوں۔ تم چاہو تو یہیں رُکو۔''

اور چھوٹی لڑکی کنارے کی طرف تیر گئی۔

''رنگ میں بھنگ کر دیا۔'' بڑی نے کہا۔ مگر چھوٹی بہن کے پیچھے پیچھے ہولی۔ جب وہ بڑی لڑکی گھاٹ کی طرف بڑھ رہی تھی تبھی اس کی ٹانگیں جواب دینے لگیں۔ تیرتے تیرتے کافی تھک گئی تھیں۔ اس کے ہاتھ اور پیر جواب دینے لگے۔

''ارے میں تیر نہیں پا رہی...... میں نہیں تیر سکتی۔''

''اب کیا ہوا تم کو بہن؟''

چھوٹی نے بڑی کو چھیڑا۔ ''کیا تم تھک گئی ہو؟ تم تو کہہ رہی تھیں کہ ابھی دل نہیں بھرا؟۔''

''دیکھو...... دیکھو مجھے چڑاؤ مت'' بڑی بہن نے کہا۔ پھر جیسے ہی اُسے احساس ہوا کہ اس کی ٹانگوں کے پٹھے اکڑ رہے ہیں اور بائی آرہی ہے وہ چلائی۔ ''مدد کرو۔ میری مدد کرو بہن۔'' چھوٹی راجکماری سیڑھیوں پر کھڑی اپنی بہن کی حرکات کو دیکھ رہی تھی اور جیسے ہی اُسے احساس ہوا کہ اس کی بڑی بہن خطرے میں ہے وہ ڈر گئی اور بوکھلا گئی۔

''مدد کرو بہن! ارے کوئی تو میری مدد کرو۔'' لڑکی کی ٹانگیں پانی کے بہاؤ کو نہیں کاٹ پا رہی تھیں۔ جیسے ہی چھوٹی بہن نے اپنی بڑی بہن کو پانی میں بہتے ہوئے دیکھا ڈری سہمی راجکماری چیخنے لگی۔

''بچاؤ...... وہ ڈوب رہی ہے...... ارے کوئی بچاؤ۔''

اتفاق سے ایک نوجوان لڑکا بھی دریا میں تھوڑی دور پر نیچے کی طرف نہار ہا تھا۔ وہ نوجوان تھا۔

طاقت ور تھا اور خوب صورت بھی تھا۔ بہن کی چیخوں کو سن کر وہ اپنے خیالات سے باہر آیا۔

''کیا بات......'' اوپر دیکھا تو ایک لڑکی گھاٹ کی سیڑھیوں پر کھڑی چیخ رہی تھی۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ پانی کے بہاؤ میں ایک انسان بھی ڈوبتا جا رہا ہے۔

ایک لمحہ بھی جھجکے بغیر لڑکے نے پانی میں چھلانگ لگائی۔ لیکن اُس نے اس مشکل کے وقت میں بھی اپنی شرافت کا دامن نہیں چھوڑا۔ اس نے ایک دوسرا سوکھا انگوچھا اپنے کندھوں پر لپیٹ کر چھلانگ لگائی۔ نپے تلے انداز میں مضبوطی سے تیرتے ہوئے وہ اس مجبور لڑکی تک پہنچ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے لڑکی کو پکڑ لیا اور اس کے مضبوط ہاتھوں نے اس پتلی سی لڑکی کو جکڑ لیا۔

جب وہ دونوں دریا کے کنارے کے پاس آ گئے اور لڑکے کو یقین ہو گیا کہ اب راجکماری محفوظ ہے اور کنارے پر خود چل کر آ جائے گی تو اس نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور خود باہر نکل آیا۔

مگر لڑکی بچانے والے کے پیچھے نہیں آئی۔ جب لڑکے نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو لڑکی کو وہیں پانی میں کھڑا پایا۔ صرف اس کے شانے ہی پانی سے باہر نظر آ رہے تھے۔

''آؤ چلو پانی سے باہر آؤ۔ کیا ہوا......؟''

اور پھر اسے لڑکی کی مجبوری کا احساس ہوگیا۔ پانی کی دھار اتنی تیز تھی کہ راجکماری کا انگوچھا چھٹ کر پانی میں بہہ گیا تھا۔

اس نوجوان نے تیزی سے صاف والا انگوچھا اپنے جسم پر سے الگ کیا جو اس نے دریا میں چھلانگ لگاتے وقت لپیٹا تھا اور لڑکی کی طرف اچھال دیا پھر فوراً ہی مڑ کر چلا گیا اور ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

''آؤ میری پیاری بہن...... میں نے سوچا ...... میں نے سوچا۔'' وہ چھوٹی لڑکی اپنی بڑی بہن کی طرف لپکی۔ اطمینان اور خوشی اس کی رگ رگ سے پھوٹ رہی تھی۔

دونوں لڑکیاں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ ہنستی روتی وہ گھر کی طرف چلی دیں۔

☆ ☆ ☆

تمھاری بہن کہاں ہے؟''

''ماں وہ باہر والے مکان میں ہے۔''

''کیوں؟...... وہاں کیا کر رہی ہے وہ۔''

کئی گھنٹے گزر چکے تھے اس واقعے کو گزرے، جس میں اس لڑکی کی جان بچی تھی۔

''وہ کہتی ہے وہ گھر میں نہیں آئے گی۔'' چھوٹی بہن نے اپنی ماں کو بتایا۔ ''بالکل نہیں آئے گی...... وہ کہتی ہے......''

''کیا ہوا ہے اس لڑکی کو......؟'' جھنجلاہٹ میں ماں نے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ ''ذرا میں بھی تو اس سے بات کروں۔''

بڑی راج کماری ضد پکڑ چکی تھی۔

''میں گھر میں داخل نہیں ہوسکتی ماں۔ میں ناپاک ہوگئی ہوں۔''

''وہ کیسے میری بچی؟''

''وہ آدمی......اس آدمی نے میرا ہاتھ پکڑا تھا ماں!''

''پھر کیا ہوا؟ تو بہہ جاتیں اگر وہ تمھیں نہ پکڑتا تو۔ اس وقت اس کا یہی فرض تھا۔''

''اس نے مجھے اپنا صاف انگوچھا بھی دیا تھا۔'' راجکماری نے اپنی آنکھیں جھکاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو اس کی شرافت تھی بیٹی۔''

''یہی تو شادی کی رسومات ہیں ماں ...... میرا ہاتھ پکڑنا ...... اپنا انگوچھا میرے اوپر لپیٹنا ...... اب تو میں اس کی ہوگئی۔''

پر تم گھر میں اندر کیوں نہیں آتیں میری بچی......؟''

''وہ ایک مسلمان ہے...... ماں۔ اب چوں کہ میں اس کی بیوی ہوگئی اس لیے میرا اس گھر کے اندر جانا ٹھیک نہیں۔''

''میری بچی اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں ہے'' اور ماں نے اس کو گلے لگانا چاہا۔

''نہیں ماں مجھے مت چھونا۔'' راجکماری پیچھے ہٹ گئی۔

''میری پیاری تم یہاں کب تک رہوگی؟ تم اس بیرونی مکان میں ہمیشہ تو نہیں رہ سکتیں۔''

''اب میں اس کی بیوی ہوں ماں۔ اب میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''ہے بھگوان۔'' عورت بڑبڑائی۔ ''میں اس لڑکی کا کیا کروں؟ میں تو دھرم سنکٹ میں پھنس گئی ہوں۔''

''رُک جاؤ ذرا، تمھارے ماما کو اس بات کا پتا چلنے دو۔''

کولاتری کے راجہ تک راجکماری کی حالت کی اطلاع پہنچی۔ وہ راجکماری کی ماں کا بھائی تھا۔

''ہم اس کو اپنے سے الگ نہیں کر سکتے ہیں ...... کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں۔'' راجہ نے کہا۔ ''میں ذرا اس سے بات کرلوں۔ ہوسکتا ہے اس سے بات کر کے کوئی راستہ نکل آئے اور وہ مان جائے۔''

راجکماری کی کوئی ایسی خواہش نہیں تھی کہ کوئی راستہ نکال لیا جائے۔ پھر تو بس ایک ہی بات رہ جاتی ہے، اس کو پاک کیا جائے۔
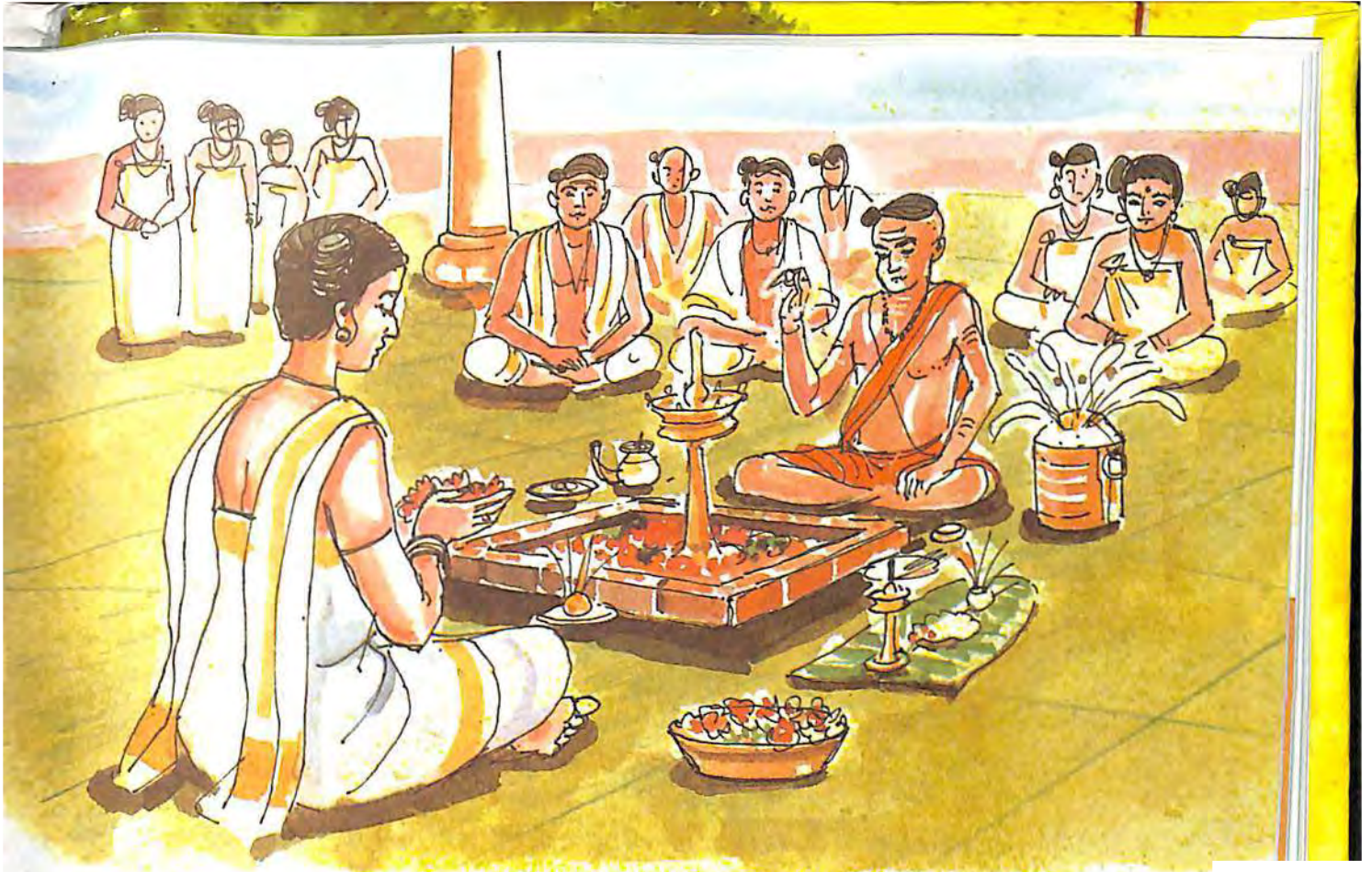
ویدوں کے پنڈت اور پجاریوں کو بلایا گیا۔ ''پاک کرنے کا طریقہ آسان نہیں ہے۔'' انھوں نے راجہ کو بتایا۔ ان ماہر لوگوں کو اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ راجہ کا خزانہ خالی کروانے کا یہی وقت ہے۔ اس لیے ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ بہت بڑی رسم ادا کی جائے کہ راجکماری کولاتّری گھرانے کی ہی فرد بنی رہے۔

''کوئی پرواہ نہیں۔'' ماما نے کہا۔ ''کسی خرچ کی پرواہ مت کرو۔ ہمیں اس بچی کو اپنے جرگے میں ہی رکھنا ہے۔'' پھر ویدوں کے اشلوکوں کے پڑھنے کے بعد اور بڑی سخت قسم کی رسومات کے بعد آخر میں راجکماری کو پاک قرار دیا گیا۔

مگر اس نوجوان عورت کے خیالات تو کچھ اور ہی تھے۔

''میں آپ کے گھر میں داخل نہیں ہوسکتی ماما جی۔ میں تو اس کی ہوں۔''

''اب کیا کریں؟'' راجہ نے اپنے تمام وزیروں اور اُمرا کی ایک میٹنگ بلائی۔ سوال تھا کہ اب صحیح قدم کیا اٹھانا چاہیے۔

''راجکماری کی شادی اس نوجوان سے کردیں۔''

''ایک مسلمان سے؟''

''بے عزّتی ہے۔''

''مگر وہ تو شادی نہ ہونے پر بھی شادی شدہ جیسی ہی ہے۔ آپ سب جانتے ہی ہیں اس نے کیا کہا تھا۔ اس لڑکے کا اس کا ہاتھ پکڑنے کے بارے میں اور اس کو اپنا انگوچھا دینے کے بارے میں ...... وہ بالکل ٹھیک کہتی ہے۔''

''ہاں یہ تو شادی ہی جیسی بات ہے اس نے اُس لڑکے کو بہرحال اپنا شوہر مان لیا ہے۔ اب کوئی دوسرا اُس کی زندگی میں نہیں آسکتا۔

اس بات پر کافی غور وخوض ہوا اور آخر راجہ نے یہ فیصلہ کرہی لیا کہ بھانجی کی شادی اُس نوجوان مسلمان سے کردی جائے۔

''اب صرف ایک بات ہی رہ گئی تھی۔''

راجہ نے حکم دیا کہ ازہی مالا کے علاقے میں ہی ایک محل بنایا جائے۔'' راجکماری اور اس کے مسلمان شوہر دونوں کو اس محل میں رکھا گیا۔ اور اس طرح راجکماری کا تعلق کولاتری گھرانے کے ساتھ برقرار رہا۔

''تم ایک بہادر آدمی ہو نوجوان۔'' کولاتری راجہ نے اپنے داماد سے کہا۔ ''میری فوج کو تم جیسے لوگوں سے ہی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ تم میری فوج کے ایک ٹکڑے کی سالاری کروگے۔''

اور جہاں تک اس مضبوط قوتِ ارادی والی راجکماری کا تعلق ہے وہ اپنے پیارے شوہر کے ساتھ بہت اطمینان سے رہی۔ جلد ہی اسے ارک کال بی بی کے نام سے جانا جانے لگا۔ ارک کال کے گھر کی عظیم عورت۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ارک کال کے اُس گھر کی نسل نے پورے کیرالا میں شہرت پائی جیسے جیسے اس برادری کے لوگ بڑھتے گئے انھوں نے اپنی رہائش کنور میں کرلی اور پھر اس علاقے کے حکمران بن گئے۔

~~~~~~~~
~~~~~~~~
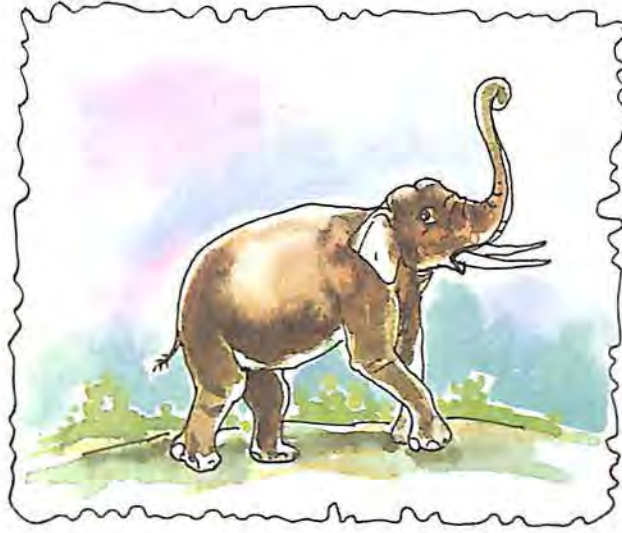
ایک لمبے دانتوں والے ہاتھی کی کہانی

''یہ تو ایک نہایت شاندار دعوت ہے کہ میں نے آج تک ایسی دعوت میں حصہ نہیں لیا۔ یہاں تو سب کچھ ہے...... ہاں لگ بھگ سب کچھ۔''

''کیا مطلب ہے تمھارا لگ بھگ سب کچھ سے؟''

''بس ایک چیز کی کمی ہے۔''

مہاراجا راما ورما کارتھیکا تھیرونل اپنا راستہ چلتے چلتے رُک گئے۔ یہ تو انھیں ضرور سننا تھا۔

کارتھیکا تھیرونل نے ابھی ابھی ٹراونکور کی راج گدّی سنبھالی تھی۔ اس لیے راجدھانی تیروانت پورم میں ایک بہت بڑی پوجا کا اہتمام ہوا تھا۔ بہت بڑی کھانے کی دعوت ہوئی تھی۔ پورے کیرالا سے برہمنوں کو تمام تقریبات میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی تھی۔

چولتری کا ایک چکر لگاتے جہاں مہمانوں کو کھانا کھلایا جا رہا تھا۔ مہاراجہ نے یہ بات سنی تھی جس نے انھیں چونکا دیا تھا۔

وہ بھیس بدلے ہوئے تھے تاکہ لوگ ان کی موجودگی سے بے خبر اپنے دلوں کی بات کھل کر کرسکیں۔ وہ لوگوں کی سچّی رائے جاننا چاہتے تھے اپنے بارے میں بھی اور تقریبات کے بارے میں بھی۔ یہاں ایک سچّی رائے دی جا رہی تھی۔ دونوں کھانے والوں کے بیچ بات چیت ہوتی رہی۔

''واقعی؟ کیا کمی ہے۔''

''ارن مولا کی اریِ سریِ''، جو برہمن مطمئن نہیں تھا اس نے کہا۔''اگر وہ چیز اس کھانے میں اور شامل ہو جاتی تو ضیافت بہترین ہو جاتی۔''

مہاراجہ چپ چاپ چلے گئے۔ ان کے دماغ میں یہ بات گھر کر گئی کہ محل میں آتے ہی انھوں نے فوراً اپنے دیوان کو بلوالیا۔

''کیا یہاں کوئی ایسی بھی خاص چیز تھی جو اس ضیافت میں سب کے سامنے نہ رکھی گئی ہو دیوان جی؟''

''یہ ہو ہی نہیں سکتا مہاراج!'' دیوان نے اپنی صفائی دی۔''ہم نے کوئی ایک چیز بھی نہیں بھولی۔''
''چلیے ہمیں بحث میں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔ دیوان جی! مجھے بتایئے کہ کوئی ہے یہاں جو ارن مولا کی اریِ سریِ تیار کر سکے؟''

''میں ابھی دریافت کرتا ہوں جناب والا!''

دیوان کی تمام چھان بین بیکار گئی مطلوبہ کھانا ارن مولا قصبے کے رہنے والے لوگوں کا ایک خاص طبقہ ہی اس چیز کو تیار کر سکتا تھا۔

''ایسا کیا ہے؟ پھر تو فوراً جاؤ اور ان لوگوں کو یہاں لے کر آؤ۔ فوراً سے پیشتر!''

اس دن ارن مولا کے سرپنچ ٹوٹا وا ئلل کوروپ کو مہاراج کا حکم ملا۔ اس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اور قصبے کے بڑوں کو جمع کیا۔

''اب ہم کیا کریں جناب؟'' کسی نے سوال کیا۔''ہم لوگ اتنی دور تیروانت پورم میں وہاں کے راج گھرانے کے باورچیوں سے مقابلہ کرنے نہیں جا سکتے۔''

''بالکل ٹھیک...... ہم خود ہی بے وقوف کہلائے جائیں گے۔''

''بھئی یہ تو مہاراجہ کا حکم ہے۔'' کوروپ نے سب کو یاد دلایا۔''ہم منع تو کر ہی نہیں سکتے اور مجھے یقین بھی ہے کہ ہمارے لڑکے ارن مولا کا سر جھکنے نہیں دیں گے۔''

''یہ ایک طرح کا خطرہ مول لینا ہوا۔''

''اور جو ہمیں قبول کرنا ہوگا ...... جاؤ ......تم کو ضرور جانا ہوگا۔ جانے سے پہلے نہادھوکر پاک ہوجاؤ اور مندر میں پوجا کر لینا۔ منت مان لینا کہ اگر محل میں تم لوگوں نے اچھا کیا تو تم بھگوان کو کوئی بھینٹ چڑھاؤ گے۔ بھگوان تمھاری حفاظت کرے!''

چند ہی دنوں میں ارن مولا کے باورچی راجدھانی پہنچ گئے۔ اور انھیں فوراً ہی کام پر لگا دیا گیا تا کہ وہ اپنی خاص ڈِش جلد تیار کر سکیں۔

اگلے دن مہاراج پھر محل کی چولتری میں جائزہ لینے پہنچے۔ جیسے ہی مہاراج کی نظروں نے اس برہمن کو ڈھونڈ لیا جس کی وجہ سے ارن مولا کے لوگ بلائے گئے تھے، مہاراج رُک گئے اور سننے لگے۔

''ہاں......اب یہ کھانا ہے جسے میں ایک دم بڑھیا کھانا کہتا ہوں۔ جو راجہ کے معیار کے حساب سے بالکل ٹھیک ہے۔''

''اوہ؟''

''ایری سری......کیا تم نے کبھی چکھا ہے؟ سچ مچ یہ ہے ارن مولا کی ایری سری۔ میں اتنے ہی یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ارن مولا کی ایری سری ہے جتنا یقین مجھے اس بات پر ہے کہ یہ میرا دوسرا جنم ہے! بہترین۔''

خوشی سے پھولا نہ سمایا راجہ تیزی سے اپنے محل کی طرف چلا گیا۔

''دیوان جی! ہم ارن مولا کے ان لوگوں سے ملنا چاہتے ہیں۔''

جب ارن مولا کے باورچیوں کو راجہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ کیا ان کی بنائی سب سے لاجواب سبزی خراب تھی؟

''آپ لوگوں کی ایری سری (Erissary) کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ان لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان کے حکمران نے بڑے پُر وقار انداز میں یہ بات انھیں بتائی۔

''ہمارے مہمان بہت رحم دل ہیں۔'' ان لوگوں نے جب اپنے جذبات پر قابو پا لیا تو جواب میں کہا۔

''ہم کوئی بڑھا چڑھا کر بات نہیں کر رہے، ایسا ہی ہے۔ دیوان جی ذرا دیکھیے گا کہ ان لوگوں نے جو تکلیف اٹھائی ہے اس کا بھرپور انعام ان کو ملے۔''

''ہم لوگ مہاراج کی فراخ دلی سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔''

باورچیوں نے کہا ''ہم اپنی ایک درخواست آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر مہاراج ہمیں اجازت دیں۔''

''ٹھیک ہے اگر ہمارے بس میں ہے تو ضرور اسے پورا کریں گے۔''

''ہم لوگوں نے طے کیا تھا کہ اگر ہماری بنائی ہوئی ایری سری یہاں پسند کی گئی تو ہم ارن مولا کے بھگوان کو ہاتھی بھینٹ کریں گے۔ بس ہماری یہی خواہش ہے۔''

''بس یہی؟'' مہاراجہ نے کہا۔ ''ہمارے ہاتھی خانے میں جاؤ اور ایک ہاتھ چھانٹ لو وہ تمھارا ہوگا۔''

ارن مولا کے لوگ شاہی ہاتھی خانے کے ہاتھیوں کا جائزہ لینے گئے۔ اچانک ہی ان میں سے ایک آدمی کچھ عجیب انداز میں جھومنے لگا اور دیوانوں جیسی حرکتیں کرنے لگا۔

''وہ والا۔'' اس آدمی نے ایک ہاتھی کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ والا لے لو۔''

''ارے اس کو کیا ہوا ذرا دیکھو تو؟'' تعجب سے ان لوگوں نے اس آدمی کی طرف دیکھا جو عجیب عجیب

حرکتیں کررہا تھا اور پھر اس ہاتھی کی طرف دیکھا جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ اُس بے سدھ سے ہوئے آدمی نے چلّا کر کہا ''وہ والا۔''

''یہ بے وقوفی کررہا ہے...... وہ جانور...... دیکھو تو ذرا اس کو۔ وہ سب سے کمزور ہاتھیوں میں سے ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بھک مری کا شکار ہو۔ وہ یقیناً بیمار ہے۔''

''وہ ہی لینا ہے۔''

''اس کی بات میں بھی کوئی راز ہے شاید اس پر کوئی سایہ ہوگیا ہے شاید۔''

''بھگوان خود اس کی آواز میں بول رہے ہیں ورنہ یہ اس طرح کی حرکتیں کیوں کرتا؟''

محل کے مہاوت بھی بہت خوش تھے کہ ایک ایسے جانور سے چھٹکارا مل گیا تھا جسے وہ ایک طرح مان چکے تھے کہ یہ ہاتھی مررہا ہے۔ وہ جنگلی جانور بہت لمبا چوڑا تھا مگر اتنا کمزور تھا کہ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ بچے گا۔

ارن مولا کے باورچی خوشی خوشی واپس لوٹے کیوں کہ ان کی بنائی ایری سری کامیاب رہی تھی۔

''اور مہاراج نے اپنے ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی دینے کا وعدہ کیا ہے۔''

''کیا واقعی؟'' کوروپ نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ جاکر ہاتھی کو یہاں لانا ہوگا۔''

تروانت پورم راجدھانی میں کوروپ نے اپنے آپ کو مہاراجہ کے سامنے پیش کیا۔

''کیا تم ہاتھی لینے آئے ہو......؟ ایسا ہی ہے نا......؟''

''کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ ہمیں یقین نہیں ہے کہ یہ وہی ہاتھی ہے جو تمھیں چاہیے۔ اس جانور کی صحت ٹھیک نہیں اور ہم اپنی طرف سے ارن مولا کے بھگوان کو ان کے شایانِ شان نذرانہ دینا چاہتے ہیں۔''

''مہاراج پوری زمین پر اس جیسے دانت والا جانور ہے ہی نہیں۔'' کوروپ نے کہا ''جو حلیہ ماتنگ لیلا میں ایک بھرپور ہاتھی کا درج ہے یہ ہاتھی اس پر کھرا اُترتا ہے جہاں تک اس کی صحت کا تعلق ہے تو بھرپور دیکھ ریکھ اور پیار اس کو صحت یاب کردے گی۔''

''ٹھیک ہے اگر تم اس لیے اسے چاہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے۔''

کارتھیکا تھیرونل نے کہا''وہ کتاب جس کا تم نے ذکر کیا...... ماتنگ لیلا، یہ کیا کتاب ہے؟''

''ہاتھیوں کے بارے میں ہے مہاراج۔''

''کیا وہ کتاب تم ہم کو ادھار دے سکتے ہو......؟''

''کیوں نہیں مہاراج میں جیسے ہی ارن مولا پہنچوں گا وہ کتاب آپ کے پاس بھیج دوں گا۔''

ہاتھی کو لے کر کوروپ ارن مولا واپس لوٹا۔ تمام رسم و رواج اور دھوم دھام و بڑے اہتمام کے کھانے دانے کے ساتھ اس ہاتھی کو بھگوان کے نام کر دیا گیا۔

پھر اس کا نام رکھا گیا 'والیا بالا کرشنن'۔ والیا مطلب بڑا۔ کیوں کہ اس مندر میں پہلے سے ہی دو اور ہاتھی موجود تھے جس میں سے ایک کا نام بالا کرشنن تھا، دوسرے کا نام تھا کٹی کرشن اور یہ دونوں نو وارد ہاتھی سے چھوٹے تھے۔

کوروپ راجہ کو ماتنگ لیلا بھیجنا نہیں بھولا تھا۔

☆ ☆ ☆

کوروپ نے نارائینا نایر نامی آدمی کو اس ہاتھی کا مہاوت مقرر کیا۔ اس نے ہاتھی کو اتنے پیار اور دیکھ ریکھ میں رکھا کہ تین سال بعد ہی یہ لمبے دانتوں والا ہاتھی وہ ہاتھی لگتا ہی نہیں تھا جو تروانت پورم سے ہڈیوں کے ڈھانچے کی شکل میں لایا گیا تھا۔ اس ہاتھی میں تبدیل اتنی آئی کہ جب مہاراجہ تک والیا بالا کرشنن کے صحت یاب ہونے کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے ہاتھی اور مہاوت سے ملاقات کی۔

''ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے ہم اپنی خوشی کا اظہار کر سکیں۔'' خوشی سے کارتھیکا تھیرونل نے کہا۔''پیارے بالا کرشنن کیا تم وہی بیمار ہاتھی ہو جو تین سال پہلے ہمارے اصطبل سے گیا تھا؟''

شاید ہاتھی نے اپنے انداز میں گھٹنے جھکا کر سلام کیا۔

''میرے پاس تمھارے لیے کچھ اور بھی ہے۔'' جب ہاتھی کو کھانے میں بہت سے ناریل اور ڈھیروں پتے دیے گئے تو مہاراجہ نے کہا۔

مہاراجہ نے ایک بار ہاتھیوں کو پہنانے کے لیے تین خوب صورت گلے کے ہار خریدے تھے تا کہ اس سرزمین پر تین بہترین جانوروں کو پہنا سکے۔ اس کو اب تک دو ہی جانور ملے تھے جو ان ہاروں کے لائق تھے اب تیسرا ہار منگایا گیا اور والیا بالا کرشنن کے چوڑے گلے میں پہنا دیا گیا۔ گلے میں اس ہار کے پڑنے کی وجہ سے ہاتھی اور زیادہ شاندار نظر آنے لگا۔

قصبے کے تمام لوگوں میں جلد ہی والیا بالا کرشنن بہت مقبول ہوگیا۔ وہ نہ صرف اپنے خوب صورت اور باوقار انداز کی وجہ سے جانا جانے لگا بلکہ اس کے اخلاق کی وجہ سے بھی لوگ اسے پسند کرنے لگے تھے۔

وہ ہاتھی بہت نرم دل تھا۔ اسے جو بھی کھانا ملتا تھا وہ مندر کے دوسرے دونوں ہاتھیوں کے ساتھ بانٹ کر کھاتا تھا۔ اگر کچھ کھانا ان دونوں کو کھلانے کے بعد بچ جاتا تو مندر میں آنے والے بھکتوں میں بانٹ دیتا کوئی اگر بھوکا ہوتو اسے صرف اس ہاتھی کے پاس جا کر کہنے کی ضرورت بھر ہوتی تھی اور ہاتھی کبھی بھی اس آدمی کو ناامید نہیں کرتا تھا۔ وہ تو اس بات کا بھی بُرا نہیں مانتا تھا کہ اس کے سامنے رکھا کھانا لوگ بانٹ کر کھالیں۔ لیکن کسی کو بھی اس کھانے کو مندر کے احاطے سے باہر لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس ہاتھی میں صحیح اور غلط پہچاننے کی بہت تمیز تھی نہ تو وہ کسی کے ساتھ ناانصافی کرتا تھا اور نہ ہی کسی کو اپنے ساتھ ناانصافی کی بات کرنے دیتا تھا۔

ائیپّن پلّئی چھوٹے بالا کرشنن نام کے ہاتھی کا مہاوت تھا۔ یہ شخص والیا بالا کرشنن اور اس کے مہاوت نارائن نایر سے جلتا تھا کیوں کہ ان دونوں کی عزت پورے قصبے کے لوگ بہت زیادہ کرتے تھے اور یہ اسی ہاتھی کے قد و قامت اور اس کے انداز کی وجہ تھی کہ وہ اور اس کا مہاوت جہاں بھی جاتے وہیں پر ان کو کھانے اور تحائف سے لاد دیا جاتا تھا۔

ایک بار ائیپّن پلّئی ضرورت سے زیادہ شراب پی گیا اور ایک گنّے کے کھیت میں گنّے چرانے کی غرض سے گھس گیا۔ کسان نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور اچھی خاصی درگت بنادی۔

''تمھیں اس کی قیمت چکانی پڑے گی۔'' مہاوت نے نفرت بھرے لہجے میں کسان سے کہا جس نے اس کی خاصی بےعزتی کردی تھی اور چلا گیا۔

اس رات ائیپّن اپنے ساتھ اپنے ہاتھی بالا کرشنن کو اسی گنّے کے کھیت میں لے گیا اور پورے کھیت کو ہاتھی کے پیروں تلے روند ڈالا۔ وہ ایسا تب تک کرتا رہا جب تک کہ وہ سارے پکے ہوئے گنّے برباد

ہوکر ڈھیر میں نہیں بدل گئے۔ پھر وہ اس ہاتھی کو اس جگہ سے میلوں دور لے گیا جہاں اس نے یہ حرکت کی تھی اور رات گزارنے کے لیے اسے باندھ دیا۔

جب صبح ہوئی تو کسان نے اپنے گنے کے کھیت کو تباہ و برباد پایا۔ غصّے اور فکر کے عالم میں وہ بوکھلایا ہوا آدمی کھیت برباد کرنے والے کو تلاش کرنے لگا۔

''ہم نے والیا بالا کرشنن کو رات کے وقت اس طرف جاتے دیکھا تھا۔'' کسی نے کہا۔

''ہاں بالکل۔ ہم کو تعجب بھی ہوا تھا کہ رات کو نارائن نایر کو اس ہاتھی کو اس طرف لے جانے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ یہ باتیں ان لوگوں نے کی تھیں جن لوگوں کو ائیپّن پلّئی نے رشوت دے کر اپنی طرف کرلیا تھا۔

''اب آیا ہماری سمجھ میں......!''

کسان کو تو بس یہی معلوم کرنا تھا۔ اب تیزی سے وہ مجرم کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور نارائن نایر کو اس نے مندر میں پالیا۔

مندر میں دوپہر بعد کی پوجا ابھی ختم ہی ہوئی تھی اور مہاوت ہاتھی کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ اس دن کوروپ کی سالگرہ کا دن بھی تھا۔ نارائن نایر اور والیا بالا کرشنن کو دعوت میں بلایا گیا تھا۔ وہ جانے کی تیاری کررہے تھے جب غصّے سے بھرا وہ کسان وہاں پہنچا۔

مہاوت کے سامنے برباد ہو چکے گنّوں کی ایک گٹھری پٹخ کر کسان چلّایا ''تم نے ایسا کیوں کیا......؟''

''تم ......تم غلیظ۔ بدمعاش۔'' غصّے میں بھرا کسان چلّایا ''میں نے تمھارا کیا بگاڑا تھا؟''

''تم اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہو اس وقت۔ میں سمجھ نہیں پارہا کہ تم کس بارے میں بات کررہے ہو۔''

''کیا تم انکار کررہے ہو کہ تم والیا بالا کرشنن کو کل رات میرے کھیت میں نہیں لے گئے تھے؟ میرے پاس گواہ ہیں جنھوں نے تم کو ادھر جاتے دیکھا تھا۔''

''کیا واقعی ......!'' بے پروائی سے نارائن نایر نے کندھے اچکا کر کہا۔ ''میں اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کرسکتا اگر وہ لوگ ایسا کہتے ہیں تو وہ لوگ بھی اتنے ہی پاگل ہوں گے جتنے تم ہو......''

ہاتھی نے اپنے مالک کی طرح لاپرواہی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کو تو اس جھوٹے الزام سے کافی دھکا پہنچا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھرے والیا بالا کرشنن چپ چاپ کھڑا اس کسان کو تکتا رہا جو چلا رہا تھا، کوس رہا تھا اور آخرکار پیر پٹختا اپنے گھر چلا گیا۔ برباد ہوئے گنّوں کا گٹھر وہ وہیں چھوڑ گیا تھا۔

فوراً ہی بعد نارائن نایر اور اس کے ہاتھی نے کوروپ کے گھر کی راہ لی۔ جب وہ چلنے لگے تو والیا بالا کرشنن نے خراب ہوئے گنّوں کو اپنی سونڈ میں اٹھا کر اُچھال دیا۔

عام طور پر جب اس طرح کے جشن ہوتے تھے تو تینوں ہاتھی اور ان کے مہاوت ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ مگر آج آئیپّن پلّئی اور بالا کرشنن نظر نہیں آ رہے تھے۔ والیا بالا کرشنن کے پیچھے بالا کرشنن ہوتا تھا اور اس کے پیچھے کُٹی کرشن۔ لیکن آج والیا بالا کرشنن کے پیچھے صرف کُٹی کرشن ہی تھا۔

جیسے ہی وہ لوگ کوروپ کے گھر کے نزدیک پہنچے ہاتھی نے دردناک انداز میں فریادی کی طرح ایک چنگھاڑ لگائی۔

''یہ کیسی آواز ہے۔'' کوروپ ہاتھی کی آواز سن کر بولا۔ ''یہ تو لگتا ہے والیا بالا کرشن کی آواز ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی بات سے ناخوش ہے۔''

جب ہاتھی نے کوروپ کو دیکھا تو گھٹنوں کے بل جھک کر ایک اور دردناک چنگھاڑ لگائی۔

''نارائن...... اس کو کیا پریشانی ہے۔'' کوروپ نے مہاوت سے دریافت کیا۔

تب نارائن نایر نے دوپہر بعد جو کچھ بھی ناخوشگوار واقعہ ہوا تھا بتا دیا۔

''میرے بچے...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' کوروپ نے ہاتھی کو تھپکا۔ ''میں اس کو ابھی حل کر دوں گا۔ جاؤ پہلے اپنا کھانا کھاؤ۔''

لیکن ہاتھی ٹس سے مَس نہ ہوا اور دوبارہ گھٹنے ٹیک کر چنگھاڑا۔

''ٹھیک ہے تم انتظار نہیں کر سکتے......؟''

والیا بالا کرشنن نے سر کو جنبش دی۔ اس نے اپنی سونڈ کو اس طرح اوپر اٹھالیا کہ کوروپ اس کی کمر پر چڑھ سکے۔ جیسے ہی کوروپ کمر پر بیٹھا تو ہاتھی مڑ کر تیزی سے چل دیا۔

جب وہ اس گنّے کے کھیت میں پہنچے تب والیا بالا کرشنن نے بڑی احتیاط سے کھیت میں قدم رکھنے شروع کیے۔ اس کی آنکھیں نرم مٹی میں گڑی ہوئی تھیں۔

پھر وہ ایک جگہ رُک گیا اور اپنی سونڈ سے ایک طرف اشارہ کیا۔

''یہ کیا ہے؟'' تعجب سے کوروپ نے کہا۔

ہاتھی نرم زمین میں بنے ایک نشان کی طرف اشارہ کررہا تھا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے...... پر ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟''

کوروپ نیچے اُتر آیا اور جس نشان کی طرف ہاتھی نے اشارہ کیا تھا اس کو غور سے دیکھا۔ وہ نشان بلا شبہ پیروں کے نشان تھے ایک ہاتھی کے پیروں کے نشان۔

جب کوروپ اس نشان کو غور سے دیکھ رہا تھا تب والیا بالا کرشنن نے اپنا ایک پیر اٹھایا اور بڑی احتیاط سے اس نشان پر رکھا جو مٹی میں بنا ہوا تھا۔

''اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ مٹی میں بنا پیر کا نشان ہاتھی کے پیر کے نشان سے کافی چھوٹا تھا۔ اس لیے وہ نشان اس ہاتھی کا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔''

''ہوں......ٹھیک ہے اب میں سمجھ گیا کہ ہوا کیا ہے......'' کوروپ نے سمجھ کر گردن ہلائی۔

جب وہ لوگ واپس گھر آ گئے تو کوروپ نے ائپّن پلّئی کو بلا بھیجا۔ ''آج وہ اس دعوت میں شرکت کے لیے کیوں نہیں آیا؟''

مہاوت کو تلاش کیا گیا اور کوروپ کے سامنے پیش کیا گیا۔

''گنّے کے کھیت میں جو بھی ہوا وہ سب کیا ہے آئپّن؟''

مہاوت آیا تو بڑی سختی سے کوروپ نے پوچھا۔ ''میں نے سنا ہے کہ تم یہ افواہیں پھیلا رہے ہو کہ یہ سب نقصان والیا بالا کرشنن نے کیا ہے۔ میں نے وہ جگہ دیکھ لی ہے۔ وہاں جو پیروں کے نشان ملے ہیں وہ اس ہاتھی کے پیروں کے نشانوں سے بہت چھوٹے ہیں۔ اب تمھیں سب کچھ سچ سچ بتانا ہے۔''

آئیپّن پلّئی اب سمجھ گیا تھا کہ سارا کھیل ختم ہو چکا ہے اس لیے اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔ ''نارائن نے میری کمائی دینے میں مجھ سے دھوکا کیا تھا جب ہم دونوں نے کوسی موپلاح کے لیے مل کر کام کیا تھا تو مہاوت نے جواب دیا۔ موپلاح نے سارا پیسہ نارائن کو دے دیا تھا اور اسی آدمی نے مجھے میرا حصّہ نہیں دیا۔''

''کیا ایسا ہے نارائن......؟''

''بالکل نہیں جناب!'' نارائن نایر نے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے ائیپّن کو بالکل دھوکا نہیں دیا بلکہ یہ تو خود کوسی موپلاح نے ہی دھوکا دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں وہ آدمی کیسا ہے۔ اس نے ہم دونوں کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ جب میں گھر پہنچا اور پیکٹ کو کھولا تو وہ ایک دم خالی تھا۔ بس یہ بات ہے جناب......اس میں تو ایک بھی سکہ نہیں تھا۔ میں شرمندگی سے بچنے کے لیے چپ رہ گیا کہ لوگ کیا کہیں گے۔''

''ٹھیک کہا۔ کوسی موپلاح ایسا ہی ہے۔ اس میں تمھاری کوئی غلطی نہیں ہے۔ نا ہی آئیپّن کی غلطی ہے۔'' کوروپ نے کہا۔ ''مگر آئیپّن تم کو تو اس بات کی سزا ضرور ملے گی جو کچھ بھی تم نے رات میں کیا ہے آئیپّن۔ حالاں کہ اس بارے میں تمھارے ساتھ رعایت برت رہا ہوں۔ تم کو مندر میں بارہ بھکشوؤں کو کل ہی کھانا کھلانا ہے۔ ٹھیک ہے؟ اب اس بات کا دھیان رکھنا کہ آئندہ اس طرح کی غلطی دوبارہ نہ ہو۔''

☆ ☆ ☆

کچھ ہی مہینوں کے بعد تمام ہاتھیوں کو لکڑی کے لٹھے اٹھانے کے لیے پڑاؤ میں بلوایا گیا۔ کٹے ہوئے لٹھوں کو ایک پہاڑی سے نیچے لاکر دریا میں ڈالنا تھا۔ چوں کہ والیا بالا کرشنن تینوں ہاتھیوں میں سب سے زیادہ مضبوط و طاقتور تھا اس لیے سب سے اوپر پہاڑی پر وہ ہی تھا۔ وہاں سے وہ ہاتھی بھاری لٹھوں کو باقی دونوں ہاتھیوں تک پہنچا رہا تھا جو تھوڑے نیچے کے مقام پر کھڑے تھے۔

آئیپّن پلّئی نے جو چھوٹے بالا کرشن پر سوار تھا اچانک اپنے انکش سے ہاتھی کے سر پر وار کیا۔

''دھیان سے او جنگلی۔'' اُس آدمی نے ہاتھی کو کوسا اور ایک بار پھر انکش سے مارا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ درد کی شدت سے چلاتے ہوئے ہاتھی نے اپنے بڑے سے سر کو زور سے ہلایا۔

مہاوت لڑھکتا ہوا بالا کرشنن کی گردن سے اس کے پیروں میں جا پڑا۔ ایک ہی جھٹکے میں ہاتھی نے اس آدمی کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اوپر ہوا میں اچھال دیا۔ چیختا چلاّتا اور ہاتھ پیر مارتا وہ آدمی جب نیچے کی طرف آیا تو بالا کرشنن نے اپنے نوکیلے دانت ہوا میں اٹھا دیے۔

اگلے ہی لمحے آئیپّن پلّئی اوپر کو اٹھے ہاتھی کے باریک دانتوں میں پیوست ہو گیا۔ بالا کرشنن یہیں پر نہیں رکا۔ پاگلوں کے انداز میں چنگھاڑتے ہوئے اس نے اس بے جان گوشت کے لوتھڑے اور ہڈیوں کو اپنے پیروں تلے تب تک روندا جب تک کہ اس کا غصہ نہ تھم گیا۔

والیا بالا کرشنن کافی طاقتور ہونے کے باوجود بھی بہت نرم دل ہاتھی تھا۔ وہ اس حادثے کو روک بھی سکتا تھا اگر اس کے بس میں ہوتا۔ کیوں کہ جو لکڑی کا بڑا لٹھا اس کی سونڈ میں دبا تھا اگر وہ اسے چھوڑتا تو تمام ہاتھیوں اور پہاڑی کی تلی میں کھڑے ہوئے بہت سے انسانوں کا حشر بہت دردناک ہوتا۔

اس طرح آئیپّن پلّئی کا خاتمہ ہوا۔ مگر اب ہاتھیوں کا بُرا وقت شروع ہو چکا تھا۔ آئیپّن کے بھائی پدمانا بھن پلّئی کو بالا کرشنن کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جلدی ہی اس نے ہاتھی کو زہر دے کر مار ڈالا اور خبر یہ پھیلائی کہ ہاتھی معدے کی نامعلوم کس بیماری سے مر گیا ہے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ نارائن نایر بھی گزر گئے۔ اور ان کے فوراً بعد کوروپ بھی مر گئے۔ ایسا لگنے لگا تھا کہ والیا بالا کرشن کی دنیا ہی اجڑ رہی ہو۔

بدمانا بھن پلّئی بھی اب تک بڑے دانت والے ہاتھی کا مہاوت بن چکا تھا۔ حالاں کہ وہ ہاتھی سے نفرت کرتا تھا مگر اس وجہ سے اُسے برداشت کرتا تھا کیوں کہ وہ ہاتھی اس کے جینے کا ایک اچھا خاصا سہارا تھا۔ ادھر ہاتھی اپنے مہاوت کی تمام زیادتیوں کو بڑے صبر سے برداشت کرتا رہا۔ جب سے اس ہاتھی کے دو پیار کرنے والے مالک گزر رے تھے تب سے وہ محویت کے عالم میں جی رہا تھا۔

ایک دن تو حد ہو گئی جب پدمانا بھن پلّئی نے والیا بالا کرشنن کو اس کے حصّے کا کھانا ہی نہیں دیا جو اِن

دونوں کو کچھ لکڑی کے لٹھے ہٹانے کے عوض میں ملا تھا۔ ہاتھی نے ایک دم حد ہی کردی اور وہ لٹھے اٹھا کر واپس ان کی پرانی جگہ پر رکھ آیا۔ پدمانابھن پلّئی اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کر سکا اور اسے مجبوراً ان لکڑی کے لٹھوں کے مالک کو پورے پیسے واپس کرنے پڑے۔ مہاوت کو کچھ دن بعد ہی موقع ہاتھ لگ گیا۔

والیا بالا کرشن واپس اس پہاڑی کے کنارے کھڑا کام کر رہا تھا۔ ندی کا کنارا ایک دم قریب تھا اور اس جگہ پانی بھی بہت گہرا تھا۔ جیسے ہی والیا بالا کرشنن نے ایک بہت ہی بڑا لٹھا اٹھایا پدمانابھن پلّئی نے اس کا ایک سرا ہاتھی کی گردن میں پڑی چین سے باندھ دیا۔ دھیرے دھیرے ہاتھی اس لٹھے کو ندی کی طرف دھکیلنے لگا۔

اچانک ہی مہاوت نے اپنا انکش چلا دیا۔ درد سے تڑپ کر ہاتھی اچھلا اور پھسل کر ندی میں جا گرا اور اسی بھاری لٹھے کو بھی اپنے ساتھ کھینچتا گیا۔

ہاتھی نے کنارے پر آنے کی کوشش کی۔ ندی چوں کہ اس جگہ بہت گہری تھی اس لیے ساری کوشش بے کار ثابت ہوئی اور وہ لٹھا تو اس طاقت والے ہاتھی کے لیے بھی جان لیوا وزن ثابت ہوا۔ والیا بالا کرشنن اندر اور اندر پھسلتا گیا اور آخر وہاں جا رُکا جہاں سے اس کی سیدھی کھڑی سونڈ کا آخری حصّہ ہی صرف پانی سے اوپر دکھائی دے رہا تھا۔ ہاتھی نے سونڈ کو اوپر کی طرف سیدھا رکھا تاکہ وہ سانس تو لے سکے۔ پدمانابھن پلّئی اطمینان سے ندی کے کنارے کھڑا اپنے کرتوت کو سکون سے

دیکھتا رہا۔ ''مجھ سے ٹکرانے کا اسے اب سبق ملے گا۔''

اس دن اور بھی بہت کچھ ہونا تھا۔ جب مہاوت ندی کنارے کھڑا دیکھ رہا تھا تبھی ایک جنگلی بھینسا پاس کے جنگل سے برآمد ہوا۔ مہاوت کو جس کی امید بھی نہیں تھی جنگلی بھینسے نے وہ کیا یعنی اپنے نکیلے سینگوں سے اسے بیدھ ڈالا۔ اس خوف زدہ آدمی کے پاس بچنے کا کوئی بھی راستہ نہیں تھا۔

چند ہی منٹوں میں اس بھینسے کے سینگوں اور ٹکرّوں نے اپنے شکار کو خون آلود گوشت کے لتھڑے میں تبدیل کر دیا۔ پھر اس قد آور بھینسے نے اس بے جان پنجر کو ندی میں پھینک دیا اور دوڑتا ہوا گھنے جنگل میں گھس کر غائب ہوگیا۔

قدرت نے اس ہاتھی کا بدلہ لیا۔ والیا بالا کرشنن کو شاید اس بات سے تسلی ہوگئی ہوگی کہ اپنے مرنے سے پہلے وہ اپنے ہی قاتل کے خون سے نہا لیا ہوگا۔

تین دن تک والیا بالا کرشنن ندی میں پڑا رہا۔ ارن مولا کے لوگوں نے اُسے بچانے کی بھرپور کوشش کی مگر ہاتھی بہت وزنی تھا اور پانی بہت گہرا۔

جیسے جیسے اُس عظیم دل والے ہاتھی کی زندگی ختم ہوتی گئی دکھ میں ڈوبے لوگ اس کی تعریفیں کرتے ندی کے دونوں کناروں پر جمع ہوتے گئے۔ اس گھڑی میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کی آنکھیں نم نہ ہوئی ہوں۔

تو اس طرح کیرالا کے اس بڑے دانتوں والے عظیم ہاتھی کا زمانہ ختم ہوا
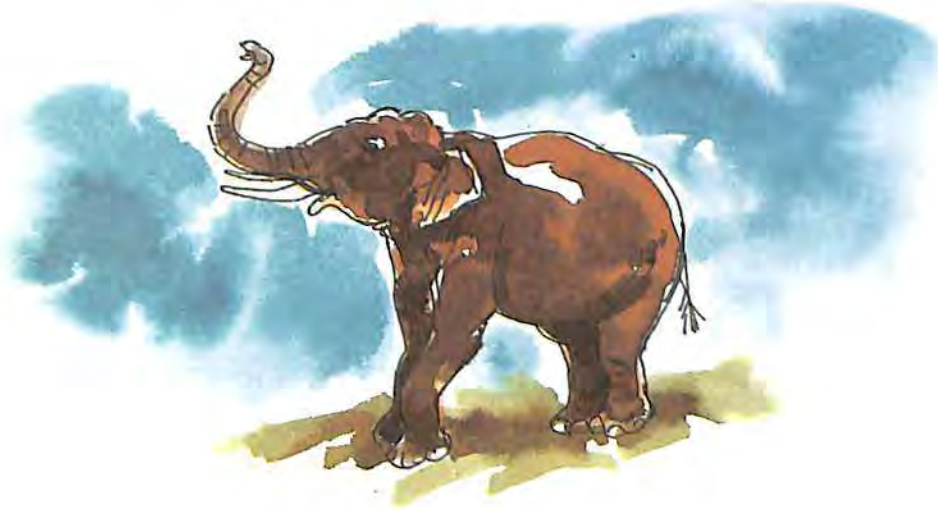
جیسا شوہر، ویسی بیوی

پتھیک کارا کانمبو دری خاندان انگدی پورم میں واقع ہے۔ یہ کوزہی کوڈ سے زیادہ دور نہیں ہے۔ کسی زمانے میں اس خاندان میں دو بھائی تھے جو اپنی زبردست طاقت کے لیے بہت مشہور تھے۔ کھانا دو وقت ہوتا تھا۔ سوا بارہ کٹورے چاول ہر بھائی ایک وقت میں کھاتا تھا۔ عام طور پر چاول شوربے یا دودھ کے ساتھ کھائے جاتے تھے۔ لیکن وہ دونوں چاول ناریل کے پانی کے ساتھ کھاتے تھے۔ ہر کھانے کے لیے بڑے بھائی کی بیوی سوا پچیس کٹورے چاول تیار کرتی تھی۔ سوا بارہ سوا بارہ دونوں بھائیوں کے لیے اور تین چوتھائی کٹورا اپنے لیے کھانے کے وقت خوراک کے مطابق چاول دونوں بھائیوں اور اپنے لیے الگ الگ کر دیتی تھی اور ان دونوں کے لیے بارہ بارہ ناریل کے گولے چاول کے برتن کے پاس رکھ دیتی تھی۔ کھاتے وقت ایک بھائی ناریل کا ایک گولا اپنے لیے اٹھاتا اور اسے ہاتھوں سے دبا کر اس کا پانی چاولوں کے ساتھ ملا کر کھاتا تھا۔ جب ان کے برتن میں چاول ختم ہوتے تو ناریل بھی ختم

ہو چکے ہوتے تھے۔

بیوی بھی اس طرح کھانا کھاتی تھی۔ وہ اپنے حصّے کے ایک ناریل کو دبا کر پانی نکالتی اور تین چوتھائی چاولوں میں ملا کر کھاتی تھی۔

ایک دن جب وہ دونوں بھائی کھانے کے لیے بیٹھے ان کی برادری کا ایک برہمن دوڑتا ہوا آیا اور اس نے دونوں بھائیوں سے ساتھ چلنے کو کہا اس لیے کہ ان کو اس کے گھر کھانا کھانا ہے۔

''کیوں، کیا معاملہ ہے؟''

''آج میری سالگرہ کا دن ہے۔ میں نے اپنے لڑکے سے کہا تھا کہ وہ آپ دونوں کو کھانے کی دعوت پہنچا دے ابھی جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اس نے دعوت نہیں دی ہے، وہ کہنا بھول گیا تھا۔ اس لیے میں بھاگ بھاگ کر آپ دونوں کو لینے کے لیے آیا ہوں ہر چیز تیار ہے بس میرے گھر جانے میں دیر نہ کرو۔''

دونوں بھائیوں نے یہ محسوس کیا کہ دعوت سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ دونوں بھائی اس رشتے دار کے گھر چلے گئے جب وہ چلے گئے تو عورت نے سوچا کہ ''اب ان چاولوں کا کیا کرے اگر یہ شام تک رکھے رہے تو ساڑھے پچپن کٹورے چاول خراب ہو جائیں گے۔ یہ تو بڑا نقصان ہو جائے گا بس ایک ہی طریقہ ہے۔''

سو اس نے وہ ساڑھے پچپن کٹورے چاول اور گولے ناریل کے ساتھ کھا لیے۔

جب شام کو دونوں بھائی کھانے کے لیے بیٹھے تو انھیں امید تھی کہ دوپہر کے باسی چاول کھانے کو ملیں گے۔

لیکن کھانا جو ان کے برتنوں میں آیا وہ تازہ تھا۔

''دوپہر کے چاولوں کا کیا ہوا'' بڑے نمبو دری نے پوچھا۔

''اگر میں انھیں شام تک کے لیے رکھ چھوڑتی تو وہ خراب ہوجاتے'' بیوی نے جواب دیا۔ ''اس لیے میں نے وہ سب کھا لیے۔''

''واقعی ایسا ہوا؟ اب کل سے تم اپنے لیے بھی سوا بارہ کٹورے چاول تیار کیا کروگی۔''

ایک دوسرے موقعے پر ایسا ہوا کہ دونوں بھائی دعوت میں کہیں گئے تھے۔ جانے سے پہلے بڑے بھائی نے چکی اٹھائی یہ ہمیشہ فرش پر رکھی رہتی تھی اور اسے کمرے کے اندر دوچھتی پر رکھ دیا۔ اس طرح وہ اپنی بیوی کی طاقت کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

وہ اندھیری رات تھی۔ عام طور پر اس رات ہلکا پھلکا کھانا کھانے کا رواج تھا اور وہ ہلکا کھانا بھی چاولوں کی اس مقدار سے تیار ہوتا تھا۔ گھر والی اتنا ہی چاول لے کر چکّی میں پیس کر اس سے کھانا تیار کرتی تھی۔ چکّی میں ایک وقت میں سوا بارہ کٹورے چاول ہی پس سکتا تھا۔

جب گھر والی نے رات کے کھانے کی تیاری کی تو اس نے دیکھا کہ چکّی اس کی جگہ پر نہیں تھی۔

جو کچھ بھی ہوا، اسے تعجب ضرور ہوا۔

تلاش سے پتا چلا کہ چکّی کہاں تھی۔

''یہ یہاں کیوں رکھی گئی۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو مجھے اس سے کام لینا ہے۔'' اس نے وہ بھاری چکّی دوچھتی سے اتاری اور کام ختم کرنے کے بعد اسے پھر وہیں رکھ دیا۔ غسل اور پوجا سے فارغ ہوکر کھانے بیٹھے تو بڑے بھائی کو تعجب ہوا جب اس نے کھانا تیار پایا۔

''تم نے چاول کیسے پیس لیا؟''

”چکّی میں اور کیسے؟“

”میں نے اسے وہیں رکھ دیا جہاں تم چھوڑ گئے تھے“ بیوی نے کہا ”ٹھیک؟“

”اچھا...... بالکل ٹھیک ہے۔“ شوہر نے گردن ہلائی۔ وہ اپنی بیوی کی طاقت جان لینے پر بہت

خوش تھا۔ بہر حال وہ صحیح معنوں میں اس کی زندگی کی ساتھی ہے۔

☆ ☆ ☆

کوز ہی کوڈ سے ایک برہمن پتھیک کارا کے ایلم سے ملنے کے لیے آیا۔ اس نمبو دری کی یہ شہرت تھی کہ وہ کوز ہی کوڈ کا سب سے طاقت ور آدمی ہے۔ وہ ہر کھانے کے وقت چار کٹورے چاول کھاتا تھا۔ اگر چہ اس کی خوراک پتھیک کارا کے نمبو دریوں کے مقابلے میں بہت معمولی تھی لیکن کوز ہی کوڈ کے لوگ اس کی طاقت کے بارے میں یہی رائے رکھتے تھے۔ ان لوگوں کو دونوں بھائیوں کی خوراک کے بارے میں علم نہیں تھا۔

جب مہمان ان کے گھر پہنچا تو دونوں بھائی گھر پر نہیں تھے۔ گھر کی مالکن نے بتایا کہ وہ کسی دعوت میں گئے ہیں اور شام تک واپس آئیں گے۔

نمبو دری نے کہا ''میں ان کا انتظار کروں گا۔''

وہ اپنی اور ان دونوں بھائیوں کی طاقت کا اندازہ کرنے کے لیے آیا تھا تو اس آزمائش کے بغیر کیسے واپس جاتا۔

''مہربانی کر کے میرے کھانے کا انتظام کر دیجیے، میں چار کٹورے چاول کھاتا ہوں۔'' اس نے ملازم کے ذریعے گھر کی مالکن کو پیغام بھیج دیا۔

ٹھیک ہے گھر کی مالکن نے کہلوایا۔ ''وہ غسل اور پوجا سے فارغ ہو جائے۔ کھانا اسے تیار ملے گا۔''

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ غسل کر کے لوٹا تو اس نے چار کٹورے چاول کا ایک پتّل، پانی کا بھرا ہوا ایک جگ چار بغیر چھلے ناریل اور اس کے لیے لکڑی کا ایک تختہ صحن میں بھیج دیا۔ وہ خود

ایک ایسے کمرے میں چلی گئی جس کا دروازہ صحن میں کھلتا تھا۔ اس نے دروازہ اس طرح بند کرلیا کہ وہ اس کے پیچھے رہے۔ سامنے بھی نہ آئے اور مہمان کی ضرورتوں کا خیال بھی رکھ سکے۔

''کھانا تیار ہے'' اس نے نوکر سے مخاطب ہوکر کہا۔ ''وہ آجائے اور کھانا کھائے۔''

جب نمبو دری کھانے کے لیے بیٹھا تو اس نے دیکھا کہ نہ تو شوربا تھا اور نہ دودھ۔ اب وہ چاول کیسے کھائے، یہ بات اس نے نوکر سے کہہ دی۔

''یہاں یہی طریقہ ہے'' گھر والی نے جواب دیا۔ ''ہم چاول ناریل کے پانی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ میں نے چار ناریل کے گولے رکھ دیے ہیں۔''

''یہ چھلکوں سمیت ناریل ہے'' مہمان نے تعجب سے کہا۔ ''ناریل کا دودھ بغیر چھلکے ہٹائے، دبائے کیسے نکل سکتا ہے۔''

فوراً عورت گھر کے اندر گئی اور چار ناریل کے گولے لائی۔ دروازے کے پیچھے چھپ کر اس نے ایک پیالہ باہر رکھا کہ مہمان دیکھ سکے۔ تب اس نے دونوں ہاتھ باہر نکالے۔ ایک ناریل کو ایک مٹھی میں لیا اور ناریل کو دبایا۔ اس طرح ناریل کا دودھ بغیر چھلے ناریل سے پیالے میں آنے لگا۔ بالکل ایسے جیسے آم کو نچوڑ لیں۔

مہمان نمبو دری حیرت سے بُت بنا دیکھتا رہا۔ اریکو کی ہڈی میں ٹھنڈ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عورت کی غیر معمولی طاقت جس سے چاروں ناریل کے گولے پانی میں تبدیل ہوگئے۔ اس نے نہ دیکھا تھا نہ سوچا تھا اور اگر یہ عورت یہ سب کچھ کرسکتی ہے تو مرد کیسے ہوں گے۔

مہمان نے فیصلہ کیا کہ دور اندیشی کو کام میں لانا صحیح بہادری ہے۔

اس نے جیسے تیسے کھانا کھایا اور پتھیک کارا کے گھر سے جلدی سے واپس چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

ایلّم سے پتھیک کارا کے قریب ہی ایک مندر تھا۔ یہ روز کا معمول تھا کہ دونوں بھائی صبح کو نہا دھوکر پوجا کرنے مندر جاتے تھے۔

ایک صبح بڑا بھائی غسل کے بعد مندر کی طرف چلا۔ چھوٹا بھائی پہلے ہی جا چکا تھا۔

یہ مندر میں میلے کا زمانہ تھا۔ بڑا بھائی پتلی گلی میں مندر جاتے ہوئے رُک گیا۔ اس نے اپنے سامنے ایک ہاتھی کو راستہ روکے دیکھا۔ وہ جانور صبح کو مندر میں سلام کرنے کے بعد اپنے اصطبل کو واپس جا رہا تھا۔ پتلی گلی میں اتنا راستہ نہ تھا کہ نمبودری ہاتھی کے برابر سے گزر جائے۔

نمبودری نے مہاوت سے کہا کہ اپنے ہاتھی کو پیچھے لے جاؤ۔ اس کے مستک پر ہاتھ رکھ کر اس نے ہاتھی کو پیچھے دھکیلنا شروع کیا۔

اتفاق تھا کہ چھوٹا نمبودری پوجا سے واپس آ رہا تھا۔ اس وقت وہ ہاتھی کے بالکل پیچھے تھے۔ جب اس نے دیکھا ہاتھی پیچھے کی طرف چل رہا ہے، چھوٹے بھائی نے اس کے پیچھے ہاتھ رکھا اور اسے آگے کی طرف دھکیلنا شروع کیا۔

''کون ہے؟ کیا بھیا تم ہو'' بڑے بھائی نے یہ دیکھ کر ہاتھی کو پیچھے سے آگے دھکیلا۔

''ہاں۔ میں ہوں۔''

''پکڑلو اِسے'' اور اس کے بھائی نے پوری قوت سے آگے دھکیلا۔

ایک بھائی نے ہاتھی کو پیچھے سے اٹھایا اور دوسرے نے آگے سے۔ اور غریب جانور لگ بھگ

دونوں کے بیچ پس گیا۔

دونوں بھائیوں نے اوپر اٹھالیا اور اسے گلی کی گارے سے بنی دیوار پر سے اچھال دیا۔ یہ کر کے ان دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔

ایسے تھے پتھیک کارا کے طاقت ور دونوں نمبو دری بھائی۔

~~~~~~~~
~~~~~~~~
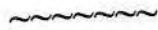
کڑامٹّم کا پادری

کیرالا میں کچھ ہی لوگ ہوں گے جو کڑامٹم کے بڑے پادری کڑاماٹھو کٹھنار کو نہ جانتے ہوں۔

پادری پالوس ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ چھوٹا ابھی بہت چھوٹا تھا کہ اس کے ماں باپ کا انتقال ہوگیا۔ اس کا اس دنیا میں کوئی نہ تھا۔ پریشانی، غربت، تنہائی اور بے یار و مددگار لاؤس کڑامٹم کے گرجا گھر میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔

گرجا گھر (چرچ) کے پادری نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ یہ اس کے لیے خدائی مدد تھی۔ اس نے مایوس کی دعا سنی تھی اور اس بچے کی پریشانی سن کر پادری کے دل پر اثر ہوا اور اس نے بچے سے کہا۔

''اطمینان رکھو میرے بچے! میرے پاس آجاؤ میں تمھاری پرورش کروں گا۔''

پادری نے بچے پالوس کو اپنے ذمّے میں لے لیا اور اس کی پرورش کرنے لگا۔ پادری خوش حال تھا۔ بچّے کو کسی قسم کی کمی نہ تھی۔ وہ اپنے سرپرست کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگا۔

پادری نے جلد ہی اندازہ کیا کہ بچّہ ذہین اور باشعور تھا اس لیے بچّے کے لیے ایک استاد مقرر کیا۔ اس نے پالوس کو عیسائی مذہبی رہنماؤں جیسی تعلیم دینی شروع کردی۔ چند سال میں لڑکا زبان اور انجیل میں طاق ہوگیا اور پادریوں جیسا لباس عطا ہوا۔

اب چھوٹا پالوس ڈیکن پالوس بن گیا۔

پادری کے پاس بہت سے جانور تھے۔ ایک چرواہا اس کے جانوروں کو چرانے صبح کو قریب کے پہاڑی علاقے میں لے جاتا تھا۔ سورج چھپنے تک وہ گلّہ واپس گھر آجاتا تھا۔

ایک شام جب گلّہ دن بھر چرنے کے بعد گھر لوٹ رہا تھا کہ ایک چیتے نے حملہ کردیا۔ جانور اس پرندے سے بچنے کے لیے تیزی سے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ لیکن ایک گائے کی بدقسمتی تھی کہ وہ چیتے کے ہاتھ آگئی۔ چیتے نے اسے دبوچ لیا اور جنگل میں کھینچ لے گیا۔

پادری نے قصبے کے کچھ لوگوں کو جمع کیا۔ جلدی ہی ہتھیار بند آدمیوں کا ایک جتھا پادری اور ڈیکن پالوس کے ساتھ گائے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

جب وہ جنگل میں داخل ہوئے تو کئی حصّوں میں بٹ گئے، انھوں نے جنگل کو تلاش کرڈالا۔ رات ہوگئی اور گائے کے ملنے کی کوئی صورت نظر نہ آرہی تھی۔

''اب تلاش جاری رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں'' پادری نے کہا۔ اندھیرا ہوگیا اب قصبے کو واپس چلو۔''

جب پادری اپنی جماعت کے ساتھ واپس ہوا، وہ یہ دیکھ کر خوش ہوا کہ اس کی سب گائیں سوائے ایک جس پر شیر نے حملہ کیا تھا، باقی سب واپس پہنچ گئی تھیں اور اس جگہ موجود تھیں جہاں وہ راتیں گزارتی تھیں۔

''پالوس کہاں ہے۔''

جوان ڈیکن واپس نہیں آیا تھا۔ پادری بہت زیادہ پریشان ہوا۔ اس کا دل بیٹھ رہا تھا۔ رات بڑھتی

رہی لیکن پالوس واپس نہ آیا۔ ان کی عادت تھی کہ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے لیکن پالوس نہ آیا۔

فکر مند اور پریشان پادری بھوکا ہی آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ اس نے کروٹیں بدل بدل کر رات گزاری یہاں تک کہ اس کے کمرے میں روشنی ہوگئی۔

صبح ہوئی تو پادری نے اپنے لوگوں کو پھر جمع کیا اور پالوس کی تلاش میں نکلے۔ انھوں نے ہر جگہ اسے تلاش کیا۔ جنگل میں، پہاڑوں میں، کہیں اس نوجوان کی کوئی نشانی بھی نہ ملی۔

''چیتے نے اسے بھی پکڑلیا ہوگا'' سب ہی لوگوں کی رائے تھی لیکن پادری ان سے متفق نہ ہوا۔

''وہ کہاں ہے'' پادری نے دعا کی ''اے خداوند اس کی حفاظت کرنا'' بس وہ یہی دعا کرتا ہوا اپنے آپ کو قابو میں کرتا رہا۔

☆ ☆ ☆

ڈیکن پالوس حقیقت میں مرا نہیں تھا۔ وہ مشکلات میں پھنسا ہوا تھا۔

گائے کی طویل اور بے نتیجہ تلاش کے بعد اس نے گھر واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت گہرا اندھیرا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے خیال میں پادری کے گھر کی طرف چلنا شروع کیا۔ چلتا رہا، چلتا رہا، گھنٹوں گزر گئے وہ گھر نہ پہنچ پایا، اب پالوس کچھ گھبرایا۔

''میں یقیناً دس بارہ میل چل چکا ہوں'' اس نے سوچا۔ ''جس جگہ گائے کی تلاش ختم کی تھی وہاں سے پادری کا گھر مشکل سے دو میل کے قریب ہوگا۔ کیا وہ راستہ بھول گیا۔ کسی سے پوچھنا پڑے گا۔ کیسے؟ یہاں آبادی کا تو کوئی نشان ہی نہیں اس علاقے میں کسی آدمی کی آواز یا نشان کا پتا نہیں۔

اس وقت پالوس کچھ بھی فیصلہ کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ ایک بڑے غار کے دہانے پر کھڑا تھا۔ راستہ بھولے ہوئے جوان نے نہ دیکھا کہ اس کے پیچھے غار سے ایک بھوت جیسا آدمی باہر نکلا۔

ایسے دو بازوؤں نے جن پر گھنے بال تھے اسے پکڑلیا۔ وہ مدد کے لیے چلایا لیکن بیکار۔ وہ چلاتا رہا ''مجھے جانے دو، مجھے جانے دو۔''

اس جنگل میں کوئی اس کی مدد کے لیے نہ آیا۔ جب پالوس مدد کے لیے چلایا تو اس جنگلی نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھالیا اور غار میں کافی اندر لے گیا۔

پالوس یہ اندازہ نہ کرسکا کہ اس سرنگ جیسے غار میں کتنی دور گئے تھے۔ وہ دعائیں مانگتا رہا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس سرنگ کے خاتمے پر اس کے مقدر میں کیا تھا۔

جس تیزی سے اندھیرا شروع ہوا تھا اسی تیزی سے ختم ہوگیا۔ ناامیدی میں روشنی بھی اس طرح داخل ہوئی کہ جیسے اسے ایک جھٹکا لگا ہو۔ اس کی آنکھیں چندھیائیں اور وہ ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔

اگر پالوس کو آرام کی امید تھی تو اس کا خیال غلط تھا۔ اس کے سامنے جو منظر تھا وہ سنگ دل آدمی کا دل ہلادینے کو کافی تھا۔

روشنی سے جگمگاتے غار کے بیچ میں ایک تخت تھا۔ اس پر ایک ظالم شکل کا ڈراونا وجود بیٹھا تھا۔ تخت کے دونوں طرف ایسے ہی ڈروانے لوگ کھڑے تھے جیسے شخص نے اسے پکڑا تھا۔

اپنے لیڈر کے ساتھ وہ بڑے ادب سے پیش آرہے تھے۔ پالوس پکڑا گیا۔ اس تاریک غار میں لایا گیا اور اس نے وہاں جو کچھ دیکھا وہ حواس کھودینے کے لیے کافی تھا۔

جس شخص نے پالوس کو پکڑا تھا وہ تخت کے سامنے پہنچا اور بڑے ادب سے بہت دھیمی آواز میں اس سے بولا اسی وقت چند خوفناک لوگ غار میں داخل ہوئے اور اپنے لیڈر کے پاس پہنچے۔

''کیا ہم اس آدمی کو کاٹ کر کھاجائیں'' انھوں نے پالوس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ بدقسمت قیدی کی ذہنی حالت کو بس تصور ہی کیا جاسکتا ہے ''صبر سے کام لو۔'' ان کے سردار نے ان کو جواب دیا ''اگر ہم یہ سمجھیں گے کہ یہ ہمارے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہے تو ہم اسے

تمھارے حوالے کردیں گے، پھر جو چاہو کرنا۔ لیکن فوری طور پر تم لوگ جاؤ۔'' وہ عجیب سے لوگ بہت ناامید ہو گئے اور چلے گئے۔

اس وحشی جیسے سردار نے پالوس سے نرمی سے بات کی۔ ''بتلاؤ نوجوان آدمی تم کون ہو اور یہاں کیسے پہنچے۔''

بدہیئت آدمی نے نرمی کے ساتھ قیدی سے پوچھا ''اگر ہم لوگوں کے ساتھ رہنا پسند کرو تو خوش آمدید۔ یہاں سے نکل جانا ناممکن ہے۔ کوئی شخص جو ہم لوگوں کے پاس پہنچ جاتا ہے واپس نہیں ہوسکتا۔ جو شخص ہمارے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتا اسے ان آدم خوروں کے حوالے کردیا جاتا ہے۔''

''ٹھیک۔''

''برائے کرم میری حفاظت کیجیے'' پالوس نے جواب دیا ''اُسے بچنے کی بس یہی امید تھی۔ میں ہر وہ کام کروں گا جو مجھ سے کہا جائے گا۔''

اگر وہ انکار کرتا تو نتیجہ ان کے سامنے تھا۔ ان کے ساتھ رہنے میں یہ امید تو تھی کہ کبھی چھوٹ سکے گا، کبھی تو یہاں سے نکل بھاگے گا۔

''ہم تمھارا خاص خیال رکھیں گے۔'' خوش مزاج سردار نے یقین دلایا۔ ''تم ہم میں سے ایک ہونے کے قابل ہو۔ ہم تمھیں اپنا شاگرد بنائیں گے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں تمھیں پڑھائیں گے جیسے جادو وغیرہ ہم میں سے زیادہ تر لوگ ملیریس ہیں۔ یہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو کسی طرح یہاں آگئے جیسے تم اور انھوں نے ہمارے ساتھ رہنا پسند کیا۔ ہمارے یہاں نسب اور نسل کا کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ یہ غار ہمارا گھر ہے۔ کبھی کبھی ہم باہری دنیا میں مہم پر نکلتے ہیں۔ جادو کے تماشے دکھاتے ہیں۔ ہم اس فن سے بہت سا پیسہ کماتے ہیں۔ ہم نے اپنی شناخت اور اپنے گھر کو چھپا رکھا ہے۔ یہ طریقہ ٹھیک ہے۔ اس لیے ہم کسی کو اس جگہ سے مردہ یا زندہ جانے نہیں دیتے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہمارے آدمی آدم خور ہیں لیکن وہ ہماری اجازت کے بغیر انگلی نہیں اٹھا سکتے۔ اور پھر چوں کہ تم نے یہاں رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ان

کپڑوں کو اتار دو۔ یہاں کسی قسم کا کپڑا پہننا منع ہے۔''

بہر حال، ناخوشی سے، پالوس سے جو کچھ کہا گیا وہی کرنا پڑا۔ ان خوفناک ظالموں اور گھٹیا لوگوں کے ساتھ کراہیت کے ساتھ رہا کیوں کہ وہاں زندگی کی ضرورتیں مہیا تھیں۔ اس نے سردار سے جادو اور ہاتھ کی صفائی کے کرتب سیکھنے شروع کر دیے۔

بارہ طویل سال اسی طرح گزر گئے۔ ذہین پالوس نے وہ سب کچھ سیکھ لیا جو اس کا استاد اسے سکھا سکتا تھا۔ وہ اپنے ٹیچر کی بہت عزت کرتا تھا اور مالایارین نے بھی اپنا بیٹا سمجھ لیا تھا۔

پالوس اکثر بھاگ نکلنے کے لیے سوچتا۔ اس کے استاد نے اسے محسوس کر لیا۔ غار کے دروازے پر ہر وقت ایک پہرہ دار رہتا تھا۔ رات کے وقت چوکیدار پالوس کو آزاد رہنے دیتے اور اسے اس کا جواب دینا ہوتا تھا۔ پالوس اب بھی جادو اور کرتبوں میں اتنا ماہر نہ تھا جتنا اس کا استاد تھا۔ اگر وہ چاہتا تو بھی غار میں رہنے والوں کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ اس کا ضمیر اس کی اجازت نہ دیتا تھا کہ اس آدمی کو دھوکا دے جس کا برتاؤ اس کے ساتھ سب سے اچھا تھا۔ دو خیالات کے درمیان وہ اس طرح پھنس گیا کہ اسے کوئی دل چسپی نہ رہ گئی اور کھانے یا آرام سے اسے کوئی رغبت نہ رہی۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت تنہائی میں سوچ میں گزارتا تھا۔

''سچ سچ بتاؤ بیٹے۔'' سردار ایک دن پالوس کو ایک طرف لے گیا اور اس سے پوچھا ''کیا تم یہاں سے جانا چاہتے ہو؟''

''اگر میں اس سے انکار کروں تو یہ جھوٹ ہوگا'' پالوس نے جواب دیا ''میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم جانتے ہو کہ باہری دنیا میں ایک شخص اور بھی ہے جو ایک یتیم بچے کو اپنے گھر لے گیا اور اس طرح اس کی اس نے اپنے بچّے کی طرح پرورش کی، میں اس پادری کو پھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ جب تک تم مجھے اجازت نہ دو گے میں نہیں جاؤں گا۔''

''ہم خوش ہیں کہ تم نے ہم سے سچ بولا ہے۔ اگر چہ تم ہمیں بہت یاد آؤ گے اور ہم تمھیں بہت یاد آئیں گے لیکن ہم تمھاری ناخوشی نہیں چاہتے، میں تمھیں یہاں سے جانے کی اجازت دیتا

ہوں۔ یقیناً تم سمجھتے ہو کہ ہم رسمی طور پر تمھیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے اس سے ہمارے ماننے والوں کو جھٹکا لگے گا۔ بہرحال اگر تم چوکیدار کو چکمہ دے کر جا سکو تو ہم گول کر جائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ تم ہماری بھی اتنی ہی عزت کرتے ہو جتنی کہ اس پادری کی، اس لیے وقت گزرنے کے ساتھ ہمیں بھول نہ جاؤ گے۔''

''ہرگز نہیں، جب تک میرا سانس چل رہا ہے میں تمھاری اسی طرح محبت اور عزت کرتا رہوں گا۔''

''وعدہ کرو کہ باہر کی دنیا میں ہمارے بارے میں یا اس جگہ کے بارے میں کچھ نہ بتاؤ گے۔''

پالوس نے بخوشی جواب دیا ''میں وعدہ کرتا ہوں۔''

اس رات پالوس نے اپنی مہارت کا استعمال کیا اور چوکیدار کو کچھ ہوش نہ رہا اور وہ غار سے نکل بھاگا۔

جب پالوس نے باہری دنیا میں قدم رکھا تو وہ ایک پادری کا لباس پہنے تھا۔ اس نے اس لباس کو اس وقت کے لیے حفاظت سے رکھا تھا۔

جب وہ غار سے نکلا تو آدھی رات گزر چکی تھی۔ اسے جلدی ہی معلوم ہو گیا کہ وہ گھنے جنگل میں ہے، اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے لیکن وہ چلتا ہی رہا۔ خوف کی وجہ سے وہ بہت تیز چل رہا تھا۔ کیوں کہ اسے خیال تھا کہ وہ چوکیدار جسے بے ہوش کر کے وہ بھاگا تھا جلد ہی ہوش میں آجائے گا اور اس کی تلاش شروع کر دے گا۔

دن نکلا تو پالوس نے محسوس کیا کہ وہ کسی انسانی بستی کے قریب ہے۔ وہ بھوک پیاس اور تھکن سے اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ اپنے پیروں پر مشکل سے کھڑا ہو پا رہا تھا۔ اسے سڑک کے کنارے ایک جھونپڑی دِکھائی دی۔

جھونپڑی پر پہنچ کر اس نے آواز دی ''اماں! میں بھوک اور پیاس سے مر رہا ہوں۔ کیا تم مجھے کچھ

کھانے کو دے سکتی ہو۔''

''مجھے افسوس ہے میرے بیٹے کہ کل ہی چاول کا آخری دانہ خرچ کیا ہے۔ مجھے ایک مٹھی چاول مانگ کر لانا ہوگا۔ اگر تم میری واپس تک انتظار کرلو تو میں اس میں سے تمھیں بھی کھلاؤں گی۔''

''کیا تمھیں چاول کا ایک دانہ بھی مل سکتا ہے اماں!''

''ایک دانہ؟ وہ کس طرح مدد کرے گا۔'' وہ الجھن میں تھی پھر وہ بولی۔

''ٹھہرو، میں دیکھتی ہوں کہ ڈبے میں ایک دو دانے مل جائیں۔''

''جہاں کہیں بھی ہوں انھیں نکالو۔''

بڑی بی چاول کا ڈبہ نکال لائی اور اس میں سے چاول کا ایک دانہ اس نے پالوس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

''اب مہربانی کر کے پانی کھولائیے۔''

بڑی بی کو اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کا دماغ ٹھیک نہیں ہے پھر بھی اس تجسس میں جو کچھ کہتا رہا وہ کرتی رہی۔

جب پانی کھولنے لگا، پالوس نے چاول کا دانہ برتن میں ڈال دیا۔ جلدی ہی برتن ابلے ہوئے چاولوں سے بھر گیا۔

بڑی بی نے جو حیران حیران سی یہ سب دیکھ رہی تھیں، جلدی سے سبزی کا شوربہ تیار کیا تا کہ اس کے ساتھ چاول کھائے جاسکیں۔ تب وہ کھانے بیٹھے۔ جب وہ کھا چکے تو بھی برتن میں آدھے کے قریب چاول تھے۔

یہ دوسرا موقع تھا کہ پالوس نے وہ فن استعمال کیا تھا جو اس نے غار میں سیکھا تھا۔

''کڑامٹم کا چرچ یہاں سے کتنی دور ہے؟'' کھانے کے بعد پالوس نے پوچھا۔

''تقریباً چار میل۔''

''او۔ وہ زیادہ دور نہیں ہے۔ اماں میں تھوڑی دیر آرام کرلوں؟''

''ضرور بیٹے۔''

کچھ دیر کے بعد وہ اٹھا اور چل پڑا۔

رفتہ رفتہ پالوس اپنی پرانی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔

''تم کون ہو بیٹے؟''

''کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں پالوس ہوں۔''

''پالوس میرے بچّے، یہ تم ہو۔'' اور اس حیران بوڑھے پادری نے اسے گلے سے لگالیا۔

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر روئے۔

''اتنے لمبے عرصے تک تم کہاں رہے میرے بیٹے!'' جب پادری نے اپنے جذبات پر قابو پالیا تو پوچھا۔

''جب میں جنگل میں گائے کی تلاش میں گیا تھا تو راستہ بھول گیا اور جنگلی مجھے پکڑ کر لے گئے اور مجھے قید کردیا، اب مجھے بھاگ نکلنے کا موقع ملا۔''

''یہ خدا کی مہربانی ہے کہ تم اتنے برسوں کے بعد لوٹ آئے، ہم نے تو سمجھ لیا تھا کہ تم زندہ نہ ہوگے۔ میں کتنا خوش ہوں۔'' اسی وقت چرچ کا محافظ دوڑا ہوا آیا اور بولا۔

''فادر، فادر! اے پادری ہم کیا کریں۔ دروازے پر بھوت ہیں میں گھنٹی کی آواز کیسے سن رہا ہوں اب تو شام ہوگئی ہے۔ ان کی شکلیں...... وہ بہت خوفناک ہیں کالے بھجنگ۔ کھجور کے پیڑ کی طرح لمبے...... خوفناک۔ ہم سب یہاں آج عبادت کیسے کر پائیں گے۔ مہربانی کر کے کچھ کیجیے۔''

''یہ بات ہے؟'' پالوس نے پوچھا۔ ''میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں دیکھیں کہ ان بھوتوں کے بارے میں کیا کر سکتے ہیں۔''

''نہیں، نہیں میرے بیٹے مجھے جانے دو!'' پادری نے کہا۔ ''میں اٹھاسی سال کا ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے بہت زیادہ زندہ نہیں رہنا ہے۔ تم یہاں رُکو میں جارہا ہوں۔''

''خدا کے فضل سے کسی کو کوئی نقصان نہ ہوگا فادر میں ان بھوتوں کو بھگا دوں گا۔ اگر آپ چاہیں تو آپ بھی چلیے۔ میں آپ کو یقیناً اکیلا وہاں نہ جانے دوں گا۔''

جب وہ تینوں وہاں پہنچے اور پالوس نے ان بن بلائے آنے والوں کو دیکھا تو اس کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ بھوت اس غار کے بدمعاشوں کے علاوہ کوئی اور نہ تھے جو اس کے پیچھے یہاں پہنچ گئے ہیں۔

''میرے بچّے تم ہٹو'' پادری نے کہا لیکن پالوس ان بدمعاشوں کے پاس پہنچ گیا۔

''تم کیا چاہتے ہو۔ تم یہاں کیوں آئے ہو'' پالوس نے اپنا تعاقب کرنے والوں سے پوچھا۔ ''یہ جگہ تمھاری کاروائی کے لیے نہیں ہے۔ یہاں سے فوراً نکل جاؤ ورنہ......''

''ہم تمھیں لینے آئے ہیں۔'' وہ خطرناک شکل والے چیخے۔ ''ہم تمھیں لیے بغیر نہیں جائیں گے۔''

جیسے ہی وہ بدمعاش اس کی طرف لپکے پالوس نے ایک منتر پڑھا اور وہ بے ہوش ہوکر سوکھے درخت کی طرح گر گئے۔

فوراً ہی محافظ نے چرچ کا گھنٹہ بجادیا۔ منٹوں میں ایک مجمع وہاں جمع ہوگیا۔ تعظیمی رسم کے بعد ہر ایک ان اجنبی مخلوق کو دیکھنے کے لیے رُکا، جو وہاں پڑے تھے، جنھیں پالوس نے گرایا تھا۔

''کیا یہ مر گئے'' پادری نے تعجب سے پوچھا۔

''نہیں! کیا آپ، چاہتے ہیں کہ میں انھیں ختم کردوں۔''

''انھیں یہاں سے نکال دو، یہ کافی ہے۔''

''ایسا ہی ہوگا'' پالوس نے اعلان کیا اور ان بے ہوش لوگوں کے پاس جاکر کوئی کرتب آزمایا۔

''دیکھو'' اس نے ناپسندیدہ لوگوں سے کہا۔ کیا تمھیں کچھ اور دوا چاہیے۔''

''کافی ہے کافی ہے'' ان بدمعاشوں نے کہا۔ ''بس تم ہمیں جانے دو ہم وعدہ کرتے ہیں کبھی نہ آئیں گے۔''

اور بھاگ گئے۔ مجمع یہ سب دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

''تمھیں یہ غیر معمولی قوتیں کہاں سے ملیں میرے بچّے!'' پادری نے پوچھا۔

''یہ قوتیں میری نہیں ہیں۔ یہ اس خدا کی ہیں جو یہ سب بخشتا ہے۔''

جب وہ پادری مر گیا، اس کی جگہ اور جائیداد پالوس کو ورثے میں ملی۔ چاروں طرف اس کی شہرت پھیل گئی۔ کڑامٹّم کے پادری کو ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ جب کبھی کسی کو اس کی مدد کی ضرورت ہوتی وہ غیر معمولی طاقت سے اس کی مدد کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارتا تھا۔ اس لیے کہ وہ کسی کی مدد کرنے سے انکار نہیں کرتا تھا۔

کٹھانر یعنی اس پادری کے زمانے میں کُنجامن کے مندر کا پُجاری پوٹی تھا۔ برہمنوں کا یہ خاندان بھی جادو وغیرہ کے لیے بہت مشہور تھا۔ کٹھانر یعنی پالوس اور پوٹی علاقے میں گھومتے ہوئے اکثر ملتے تھے۔ پوٹی اکثر اسے اپنے گھر کُنجامن آنے کی دعوت دیتا تھا۔

ان لوگوں کی دوستی بے لاگ نہ تھی۔ پوٹی کو یہ گمان تھا کہ اس نے شیطانی قوتیں پوری طرح حاصل کر لی ہیں۔ کٹھانر کے پادری پر اپنی قوتوں کی دھاک بٹھانا چاہتا تھا۔ آخر کٹھانر کے پادری نے کنجامن جانے کا فیصلہ کیا۔

پوٹی کی عادت تھی کہ جب وہ کشتی سے سفر کرتا تھا تو وہ شیطانی قوتوں کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ قوتیں عام لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں۔ کٹھانر نے اس کا مقابلہ طے کیا۔ وہ دریا کے کنارے کُنجامن ایک کشتی میں پہنچا جو اپنے آپ ہی چلتی تھی۔ کوئی اسے چلاتا نہ تھا۔

پوٹی نے محسوس کیا کہ مہمان نے کشتی چلانے میں جادوگرانہ قوت کا استعمال کیا ہے۔ اس نے یہ بھی سمجھ لیا کہ کٹھانر اس پر اپنی برتری ظاہر کرنا چاہتا ہے پھر بھی اس نے اپنے مہمان کے پُرجوش
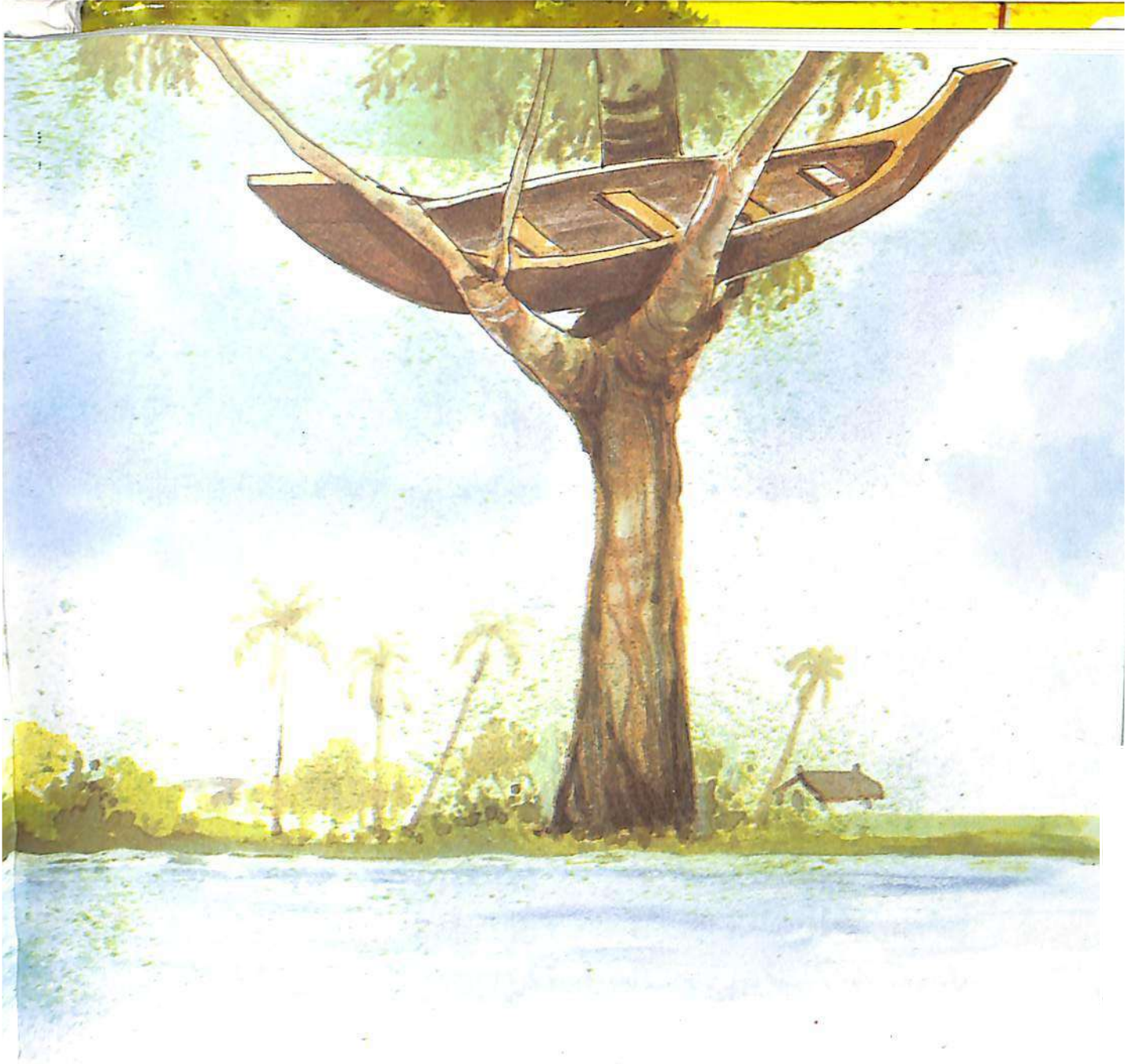
استقبال کا اہتمام کیا تا کہ وہ آرام سے قیام کرسکے۔ لیکن کٹھانز اس دن وہاں سے واپس ہونا چاہتا تھا۔

''مجھے اس شام کو جانا ضروری ہے میں کسی اور سے بھی اسی دن آنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔''

''میں تو چاہتا تھا کہ اور کچھ دن یہاں قیام کرتے۔ لیکن اگر آپ نے وعدہ کر رکھا ہے تو وعدے کا پالن ضروری ہے۔''
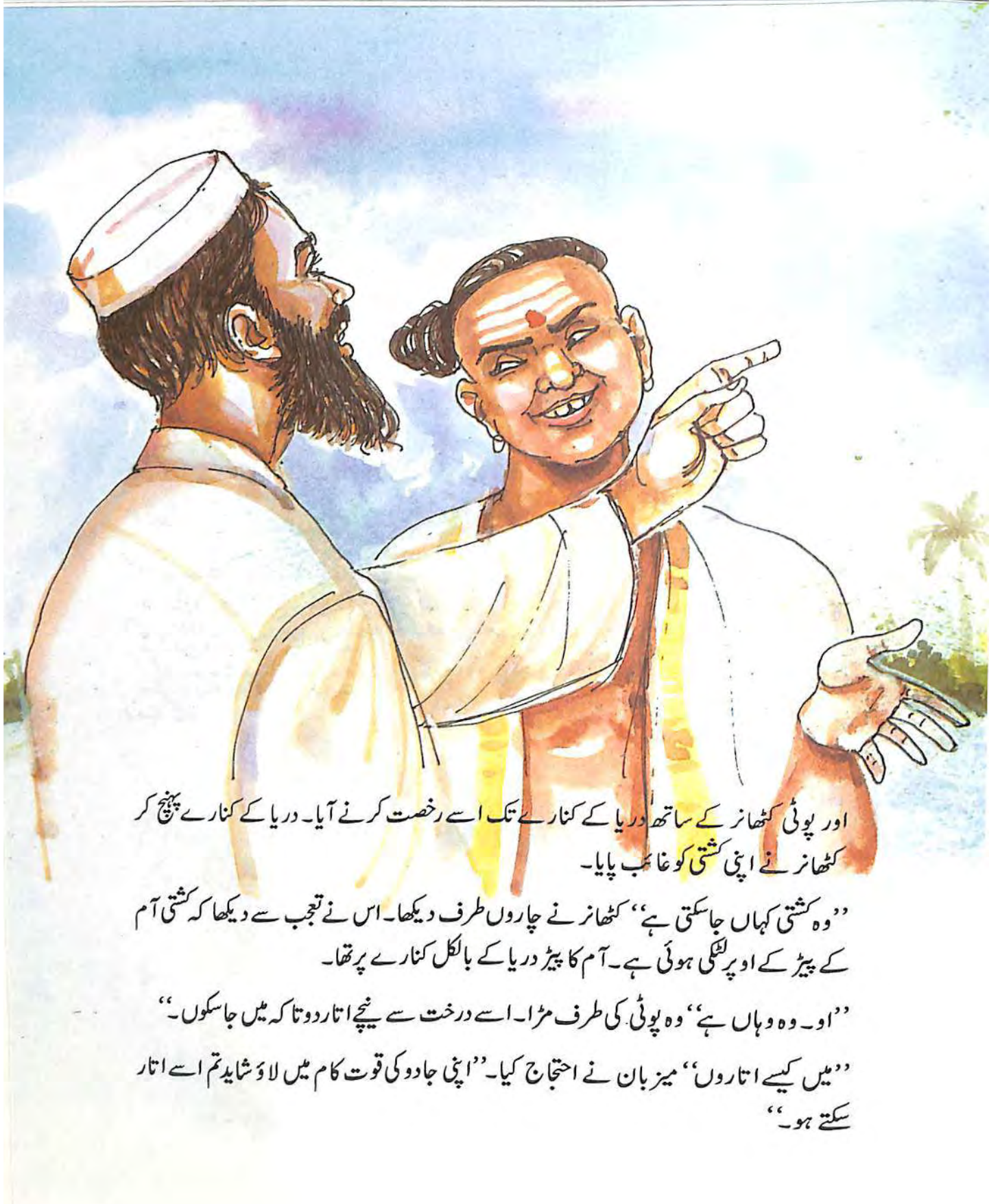
اور پوٹی کٹھانر کے ساتھ دریا کے کنارے تک اسے رخصت کرنے آیا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر کٹھانر نے اپنی کشتی کو غائب پایا۔

''وہ کشتی کہاں جاسکتی ہے'' کٹھانر نے چاروں طرف دیکھا۔ اس نے تعجب سے دیکھا کہ کشتی آم کے پیڑ کے اوپر لٹکی ہوئی ہے۔ آم کا پیڑ دریا کے بالکل کنارے پر تھا۔

''او۔ وہ وہاں ہے'' وہ پوٹی کی طرف مڑا۔ اسے درخت سے نیچے اتار دو تاکہ میں جاسکوں۔''

''میں کیسے اتاروں'' میزبان نے احتجاج کیا۔ ''اپنی جادو کی قوت کام میں لاؤ شاید تم اسے اتار سکتے ہو۔''

کٹھانر بے وقوف نہ تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ پوٹی نے اپنی شیطانی قوت استعمال کر کے اسے درخت پر لٹکا دیا ہے۔

''ٹھیک ہے اگر تم یہی چاہتے ہو تو دیکھو۔ تم جلدی دیکھو گے کہ پوٹی کے گھر والیاں یہاں آتی ہیں۔''

''تم یہ نہیں کر سکتے۔''

''دیکھو تو تم'' کٹھانر نے جواب دیا۔

جب دونوں لوگوں میں بحث ہو رہی تھی تو پوٹی کے خاندان کی عورتیں گھروں سے باہر نکلنی شروع ہوئیں۔

''او میرے خدا'' ہارے ہوئے برہمن نے کہا۔ ''اسے چھوڑو۔ میں تمھاری کشتی اُتارتا ہوں۔''

اس پر دونوں ماہرین میں یہ فیصلہ ہوگیا کہ وہ اپنی مہارت ایک دوسرے کے خلاف استعمال نہیں کریں گے۔ جب تک وہ زندہ رہیں گے وہ دونوں بہت اچھے دوست رہیں گے اور ایسے ہی رہے بھی۔

غیر معمولی یادداشت

ایک زمانہ تھا جب وہ علاقہ جو آج کل کیرالا کہلاتا ہے، دوسلطنتوں میں بٹا ہوا تھا۔ کوچی اور ٹراونکور، دونوں ریاستیں امن کے ساتھ رہتی تھیں۔ دونوں کے حکمراں ایک دوسرے کے باعزت رشتے میں بندھے ہوئے تھے۔ ان میں آپس میں بہت سے معاملات میں دوستانہ مقابلہ رہتا تھا۔

ہاتھی ان مقابلوں کی رقیبانہ وجہ تھے۔

ان میں سے کوئی بھی ریاست کسی نئے ہاتھی یا ہاتھی کے بچے کو پکڑ لیتی تھی تو دوسری ریاست کا حاکم نئے پکڑے ہوئے جانور کے بارے میں جاننے کے لیے جاسوس بھیجتا تھا۔ جب کوئی جوان ہاتھی کوچی کے شکاریوں کے گڈھے میں گر جاتا تھا تو تراونکور کے راجہ تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں تراونکور پر مشہور راجہ راماورما کارتھیکا تھیرونل دھرم راج حکومت کرتا تھا۔ اس زمانے کی کوچی ریاست سکتھان تھمپورن کم خوشحال نہ تھی۔

ایسا ہوا کہ کوچی کے لوگوں نے ہاتھی پکڑنے کے لیے جو گڑھا کھودا تھا اس میں سے کچھ تراونکور کی زمین میں تھا۔ کارتھیکا تھیرونل کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ ہاتھی بہرحال دوسرا معاملہ تھا۔

''ہم نے اس جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا راجہ صاحب! کیا تراونکور کے جاسوسوں نے اس کی رپورٹ کی۔ وہ زیادہ سے زیادہ بیس سال کا ہے۔ اس کے دانت کم از کم ایک میٹر لمبے ہوں گے۔ اور اس کا وزن...... راجہ صاحب...... کوچی یا تراونکور میں اس جیسا کوئی نہیں ہے۔''

''اور اس کا ماتھا؟''

''اور اس پر چوڑی اور ہموار پیٹھ۔ یہ چھ آدمیوں کے بیٹھنے کے لیے کافی ہے۔ اس طرح آرام دہ جیسے قالین۔''

''ایسا ہے'' کارتھیکا تھیرونل نے اپنی بھوئیں اٹھائیں۔ ''اب وہ کہاں ہے۔''

''سرحد کے قریب ایک پنجرے میں راجہ صاحب'' دیوان نے جواب دیا۔

''اور کیا ہم اس کے لیے کچھ نہیں کریں گے۔ دیوان جی۔''

''ہم اسے حاصل کرلیں گے۔ راجہ صاحب۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''کیسے؟''

''میں نے کنجی کٹی کو کام پر لگا دیا ہے۔ اس کی مدد کے لیے پدمانا بھن اور کٹی راپا کشی ہیں۔ وہ اس ہاتھی کو ہمارے لیے حاصل کرلیں گے۔ یقین کیجیے جناب۔ سکتھان تھمپورن کو بھی کمزور مت سمجھو دیوان جی۔''

کارتھیکا تھیرونل نے اپنا سر ہلایا۔ ''یہ کچھ بھی نہیں ہے کہ وہ سکتھان کہلاتا ہے۔ وہ ایک شیر جیسا ہے۔ اسے یاد رکھو۔''

''یہ بالکل ٹھیک ہے راجہ صاحب۔ مجھے یقین ہے کنجی کٹی ہمیں شرمندہ نہ ہونے دے گا۔''

اس عرصے میں کنجی کٹی اپنے ساتھیوں پدمانا بھن اور کٹی راپا کشی سے مل کر اس کی ترکیب سوچ چکا تھا۔

جب مہاراجہ نے راجدھانی میں اپنے دیوان سے بات چیت کرلی تھی چند میل دور، کوچی کی سرحد کے قریب دو اجنبی آئے۔ اُس جگہ جوان ہاتھی پنجرے میں بند تھا۔ کئی مہاوت اس علاقے میں

گھوم رہے تھے۔ وہ یا تو کٹی ہوئی پتنگ کی طرح اِدھر اُدھر چکرا رہے تھے یا آرام کررہے تھے۔
ان اجنبیوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا ''کہاں ہے وہ۔'' وہاں کئی ہاتھی تھے۔

''وہ اس پنجرے میں ہے۔''

''کوئی غلطی نہیں میں اسے دیکھتا ہوں'' کٹی راپا کشی نے جواب دیا۔ ''اب ہمیں کس بات کا انتظار ہے۔''

''جلدی نہیں'' پدمانا بھن نے اپنا سر ہلایا اور کہا ''ہم نہیں چاہتے کہ شبہ پیدا ہو۔ اس کو دیکھو۔ اور تب پدمانا بھن نے سنسکرت کے اشلوک گانے شروع کیے۔ وہ ہاتھیوں کے سلسلے میں تھے، لمبے ہاتھیوں کے سلسلے میں، چھوٹے ہاتھیوں کے سلسلے میں، پالتو ہاتھیوں اور جنگلی ہاتھیوں کے سلسلے میں، اچھے اور بُرے کے سلسلے میں وہ اس طرح گا رہا تھا کہ مہاوت اسے یقیناً سن سکیں۔

''سنو'' ایک مہاوت نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''وہ لڑکا کیا کہہ رہا ہے۔''

''کچھ ہاتھیوں کے متعلق۔ چلو ہم وہاں چلیں اور سنیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ ہاتھیوں کے بارے میں جانتا ہے۔''

پدمانا بھن موٹی کھال والے جانوروں کے بارے میں جانتا تھا۔ ویسے بھی اس نے ان قسموں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا۔ اس کا مطالعہ وسیع تھا۔ وہ ایک اشلوک پڑھتا اور پھر اس کا مطلب بیان کرتا۔

کٹی راپا کشی تعریف کرتا تھا۔

جو کچھ ہورہا تھا اسے جاننے کے مشتاق مہاوت ان دونوں کے چاروں طرف جمع ہوگئے۔ یہاں ان کی دل چسپی کا موضوع تھا ہاتھی۔

''اے لڑکے تم ان ہاتھیوں کے بارے میں کیا جانتے ہو جن کے دانت پورے بڑھ چکے ہوں۔''

''ایک اچھے کام کرنے والے کو کیسے پہچانتے ہو۔''

عجیب عجیب سوال ہوتے رہے۔ پدمانا بھن ایک ماہر کی طرح ان کے جواب دیتا رہا۔ وہ اشلوکوں

کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ اس کی وسیع معلومات سے مہاوت بہت متاثر ہوئے۔

''ساتھی! تم کون ہو۔ اس علاقے میں تم کیا کر رہے ہو؟''

''ہم دور دکن دیس کے ہیں۔ ہمارے مالک نے ایک ہاتھی خریدنے کے لیے کہا ہے، ہم اس کی تلاش کر رہے ہیں۔''

بیچ میں یک بیک بات کٹ گئی۔ ایک پٹھان نے بیچ میں روک دیا۔

''تھوڑا سا تمباکو ہے تمھارے پاس اور مجھے دے سکو گے!''

پٹھان چھوٹی سی بھیڑ میں داخل ہوا۔

''اے! تم عجیب آدمی ہو'' پدمانابھن نے جھڑکا۔ ''کیا یہ تمھیں تمباکو کی دکان لگتی ہے؟''

''میں یقین سے کہتا ہوں کہ تمھیں تمباکو نہیں ملے گا۔''

''تمھیں ہاتھی تو مل سکتا ہے اگر تم چاہو۔''

سب مہاوت اس پر ہنس پڑے۔

''ایک ہاتھی چلے گا ٹھیک'' مہمان نے جواب دیا۔ وہ مذاق سے دل برداشتہ نہ ہوا۔

''تم کیا کہتے ہو دوستو'' پدمانابھن نے پوچھا۔ ''کیا ہم اسے کسی ہاتھی پر رکھ دیں۔''

''ایسا ہی کریں۔''

اچھا خیال ہے۔''

''اس پر اسے لٹکا دو۔''

کٹی راپاکشی نے دخل دیا اور پھر مہاوتوں سے کہا ''وہ انتظار کر سکتا ہے۔ آؤ دوستو پہلے ہم اپنے حلق تر کر لیں۔ سورج تقریباً چھپ گیا ہے۔''

کٹی راپاکشی کے علاوہ سب نشے میں دھت ہو گئے۔

کٹی راپاکشی نے ایک بوند بھی نہ لی۔

کچھ دیر بعد گروپ اس جگہ واپس آیا جہاں پدما نابھن اور وہ پٹھان انتظار کررہے تھے۔ ''ٹھیک اب تمھارے ہاتھی کے بارے میں''۔ مہاوت میں سے ایک نے مطالبہ کیا کہ تم کس پر سوار ہونا چاہتے ہو۔''

''میں یہ والا لوں گا'' پٹھان نے کہا۔ نئے ہاتھی کی طرف اشارہ کیا۔ نیا ہاتھی بے چین ہوا ایسا لگتا تھا کہ وہ نو گھسیے پر حملہ کردے گا۔

''اے تم اس سے دور رہو۔''

''ہاں واپس آجاؤ اور اسے چھوڑ دو۔ یہ یہاں تین چار دن رہے گا۔ یہ ابھی جنگلی ہے۔''

''اس نے ایک مہاوت اور ایک ہاتھی کو پہلے ہی مار دیا ہے اس کا قابو میں آنا ناممکن ہے۔ اگر اس کی ضد ہے تو اسے کوشش کر لینے دو'' راپاکشی نے طنز کیا۔

''یہ اس کی آخری سانس ہے''۔

''ٹھیک ہے وہ جاتا ہے۔''

اور مہاوتوں نے جوان ہاتھی کو دوہری رسّیوں سے دو پالتو ہاتھیوں سے دونوں طرف سے باندھ دیا۔ بہت احتیاط سے وہ اسے احاطے سے باہر لائے۔

پدما نابھن نے پٹھان سے کہا ''ہاتھی پر جاتے ہوئے اور پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کود کر اس پر بیٹھ جاؤ۔''

''اگر تم مرنا چاہتے ہو تو اس پر بیٹھ جاؤ'' مہاوتوں نے آہستہ سے کہا۔

پٹھان بجلی جیسی تیزی سے اُچھلا۔ ایک ہی چھلانگ میں وہ ہاتھی کے اوپر تھا۔

''کیا......''

''کیا وہ تمھیں دکھائی دیتا ہے۔''

مہاوت اب بھی اپنی حیرانی پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس وقت پٹھان نے اپنی تلوار نکالی اور اس سے وہ رسّیاں کاٹ دیں جن سے دوسرے پالتو ہاتھیوں سے وہ بندھا ہوا تھا۔

''چلو چلو، چلو چلو'' پٹھان نے نعرہ لگایا۔

پدمانابھن بھی اس وقت حرکت میں آیا۔ اس نے اس وقت ہاتھیوں کی دونوں طرف کی رسّیوں کو جھٹکے سے ہٹا دیا۔

بندشیں کھل گئیں، رسّیاں الگ ہوگئیں، پالتو ہاتھی پاگلوں کی طرح لڑکھڑائے اور آس پاس کے جنگل میں گھس گئے۔ کُنجی کٹّی جو اس وقت پٹھان کی ہیئت میں تھا۔ اس نے ہاتھی کو مہاوت کے ساتھ پیچھے ہٹانا شروع کیا اس طرح وہ اپنے چاروں طرف نظر رکھ سکتا تھا۔ منٹوں میں کُنجی کٹّی اور ہاتھی سرحد پار کر کے تراونکور میں داخل ہوگئے تقریباً ایک میل یا اس سے زیادہ چلنے کے بعد سرحد سے دور ہوگئے کہ پٹھان نے ہاتھی کو موڑ دیا۔

تقریباً پانچ گھنٹے کے بعد کُنجی کٹّی اپنے گاؤں پہنچ گیا۔ اس نے کھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ پدمانا بھن اور کٹّی راپاکشی وہاں پہنچ گئے تینوں آدمیوں نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور پھر ہاتھی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ وہ ہاتھی کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بے چین تھے۔

دو دن اور دو راتیں انھوں نے اس طرح سفر کیا۔ کھانا جہاں مل گیا کھالیا اور تھوڑی دیر آرام کرلیا۔ آخر کار وہ کوتراکاراشٹر پہنچ گئے۔ کوتراکارا میں ہاتھی میں ایک تبدیلی آئی۔

اس نے چلنا بند کر دیا۔

''اسے کیا ہوگیا؟''

''اس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور بس میں نے کتابی ترکیب استعمال کر کے دیکھی۔ پریشان کُنجی کٹّی نے کہا ''تم کوشش کرو۔'' ہاتھیوں کو سدھارنے والے تین ماہرین نے بھی کوشش کی۔ لیکن ہاتھی آگے نہ چلا۔ وہ لوگ اس کام کے لیے بالکل ٹھیک نہ رہے۔

''کیا معاملہ ہے'' اس علاقے کے کسی بزرگ نے پوچھا۔ وہ ان تینوں کی پریشانی کو دیکھ کر رُک گیا تھا۔

''وہ یہاں سے چلنے کے لیے تیار نہیں ہے ہمیں اسے راجہ کے دربار میں جلدی سے جلدی پیش کرنا ہے۔''

''مہاراجہ شیو کا علاقہ ہے۔ تم اس طرح ہاتھی کو یہاں سے نہیں لے جاسکتے۔''

''بالکل۔ یہ ایک نشانی ہے۔ تمھیں چاہیے کہ اس جوان ہاتھی کو پہلے مہادیو کی خدمت میں پیش کرو جب تک تم یہ نہ کرو گے یہ کہیں نہیں جائے گا۔''

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے سوچنے دو۔''

کنجی کٹی نے جلدی سے تراونکور کے دیوان کو ایک خط لکھا اور اسے جلدی سے بھیج دیا۔

''ہمیں فوراً ہی کوترا کارا سے روانہ ہوجانا چاہیے تھا۔ جب دیوان نے کنجی کٹی کا پیغام پڑھا تو راجہ سے کہا ''ٹھیک ہے، ہمارے سفر کی تیاری کرو۔''

جب راجہ رام ورما کارتھیکا تھیرونل کوترا کارا پہنچا تو گرفتار ہاتھی کو دیکھا تو اس کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ ''اس میں وہ تمام باتیں ہیں جو ہم نے سوچی تھیں۔ واہ کیا جانور ہے۔ اس کے ماتھے پر نئے چاند کا نشان دیکھو۔ اب اس کا نام چندر شیکھرن ہے۔''

اس کے کچھ ہی دیر بعد چندر شیکھرن کو رسمی طور پر شِو جی سے منسوب کردیا گیا اور اسے شِو جی کے آشرم میں پہنچا دیا گیا۔ اس موقع پر زبردست خوشی منائی گئی اور بہت بڑی دعوت ہوئی۔ ایک رام آسرا نامی مہاوت تھا، وہ جانور سدھارنے میں کنجی کٹی کی مدد کر رہا تھا۔ راجہ نے حکم دیا کہ چندر شیکھرن کو رام آسرے کی دیکھ بھال میں دے دیا جائے۔

''اس کو ٹھیک ٹھاک رکھو اور اس کی ہر ضرورت پوری کرو'' کارتھیکا تھیرونل نے تروانت پورم روانہ ہونے سے پہلے مہاوت کو حکم دیا۔

☆ ☆ ☆

چندر شیکھرن اور اس کے مہاوت نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ اس طرح وہ ریاستی ہاتھی بہت مشہور ہوگیا۔ تہواروں کے موقعے پر آشرموں میں اس کا ہونا ضروری ہوگیا۔

رام آسرے نے ایک آدمی ملازم رکھا لیا۔ اس کا نام 'کوچو کنجو' تھا۔ یہ ہاتھی کی دیکھ بھال اور

خدمت میں اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ ہر صبح چندر شیکھرن کو نہلانا، پانی پلانا اور کھانا کھلانا اس کا کام تھا۔ وہ صبح کو جلدی ہی آجاتا تھا ہاتھی کی زنجیر کھولتا تھا اور اسے نہلانے کے لیے لے جاتا تھا۔

رام آسرے اور ہاتھی میں بہت محبت ہوگئی۔ مہاوت کے لیے ہاتھی اس کے بچے سے کم نہ تھا اور ہاتھی بھی اپنے نگراں سے بہت محبت کرتا تھا۔ لیکن 'کوچوکنجو' کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ چندر شیکھرن اسے ایک معمولی نوکر سمجھتا تھا اور وہ اسے برداشت کرتا تھا، یہی بہت تھا۔

ایک صبح کوچوکنجو نہ آیا۔ جب رام آسرے پہنچا تو دن چڑھ چکا تھا۔

''او۔ کیا معاملہ ہے'' مہاوت نے کہا جب اس نے اپنے شاگرد کی یہ حالت دیکھی۔ ''کیا تم اب تک نہائے نہیں ہو؟''

جوان ہاتھی کی آنکھوں نے اسے سب کچھ بتادیا۔ وہ نہایا نہیں تھا، پیاسا تھا، بھوکا تھا۔

''وہ بدمعاش'' رام آسرے نے چندر شیکھرن کو پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یقین ہے اس نے پھر پی لی ہے، مجھے افسوس ہے پیارے۔ مجھے افسوس ہے مجھے اس نالائق کے رحم وکرم پر تمھیں نہ چھوڑنا چاہیے۔ آؤ۔''

رام آسرے نے ہاتھی کی زنجیریں کھولیں اور اس کے جسم کو گرد سے صاف کرنے لگا۔

اس وقت کوچوکنجو وہاں پہنچا۔ بے فکری سے اور جیسے اس سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو۔

''آگئے تم'' رام آسرے غرّایا۔ ''بے کار آدمی۔''

''کہے جاؤ، میں نے کوئی بڑا جرم نہیں کیا ہے'' ملازم نے کہا۔ ''آنکھ تھوڑی دیر سے کھلی بس۔''

''تم کہتے ہو تھوڑی دیر اور یہ غریب یہاں صبح سے انتظار کر رہا ہے بغیر نہائے اور پیاسا۔ یہ تمھارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔''

''اتنا زیادہ غصّہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تم ناکارہ آدمی'' رام آسرے معذرت خواہ سا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ جگہ تمھارے لیے رہے۔''

''میں تمھیں دوں گا'' کوچوکنجو چلایا۔ اسے اپنے مالک کے طنز پر غصّہ آیا اور وہ اس پر چلایا یہ اس کی غلطی تھی۔ چندر شیکھرن دونوں آدمیوں کے بیچ گرم گفتگو کو سمجھ رہا تھا۔ پوری صبح لاپرواہی کی وجہ سے ہی وہ غصّے میں تھا۔ کوچوکنجو کے حملے نے حد ہی کردی۔ غصّے کے عالم میں ہاتھی کوچوکنجو کی طرف بڑھا۔

''شیکھرا!'' رام آسرے گھبرایا۔ اسے ہاتھی کے ارادے کا اندازہ ہوگیا تھا۔ ''نہیں نہیں شیکھرا۔''

دیر ہوگئی تھی چندر شیکھرن کی سونڈ آگے بڑھ چکی تھی اور کوچوکنجو کے چاروں طرف پہنچ گئی تھی۔ ہاتھی نے چلاتے ہوئے آدمی کو ایک پر کی طرح ہوا میں اچھال دیا۔

''رک جا شیکھرا پیارے'' رام آسرے آگے بڑھا تاکہ جو کچھ اسے اندیشہ ہوا تھا وہ نہ ہو پائے۔

چندر شیکھرن غصّے میں اندھا ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی سونڈ سے ملازم کو ایک درخت پر دے مارا۔ کوچوکنجو کا سر پھٹ گیا۔ خون اور بھیجا باہر آنے لگا۔

اپنی سونڈ اوپر ہوا میں کر کے ہاتھی دہاڑا، جو ہاتھی کی جیت کی دہاڑ تھی۔ وہ ایک خوفناک آواز تھی لوگوں کے دل دہل جانے کے لیے کافی تھی۔

ہاتھی کی سونڈ سے ہلنے میں رام آسرے کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ وہ دومیٹر کے فاصلے پر جا پڑا۔ مہاوت بے ہوش ہوگیا تھا۔

جیسے رام آسرے کو یہ حادثہ پیش آیا چندر شیکھرن کا غصّہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ غصّے کے پاگل پن ختم ہونے میں اسے اندازہ ہوگیا کہ اس نے کیا کردیا۔ کوچوکنجو کے لیے اس نے

کوئی پرواہ نہ کی تب اس کی نظر اپنے پیارے رام آسرے پر پڑی۔ ہاتھی جلدی سے اس کے پاس پہنچا۔

رام آسرے زندہ تو تھا لیکن اس کا سانس ناہموار تھا۔ رُک رُک کر چل رہا تھا۔ پورا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

چندر شیکھرن نے مہاوت کو نرمی سے اپنی سونڈ میں اٹھایا۔ بالکل اس طرح جیسے کسی بچّے کو اٹھاتے ہیں۔ تب وہ قریب کے ایک میدان کی طرف چلا۔ میدان کے بیچ میں ایک بڑا سایہ دار کٹھل کا پیڑ تھا۔ چندر شیکھرن نے اسے پیڑ کے سائے میں لٹا دیا۔ اس نے اپنی سونڈ سے ایک بڑا پتہ توڑا اور اس سے مہاوت کو ہوا کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ رام آسرے نے آنکھیں کھولنی شروع کیں۔

''پانی......'' چندر شیکھرن نے سوچا چاروں طرف دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک عورت کنویں سے پانی بھر رہی ہے اس نے ابھی ڈول کنویں سے نکالا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک ہاتھی تیزی سے اس طرف دوڑ آرہا ہے۔ وہ ڈر گئی۔ اس نے اپنا برتن وہیں چھوڑا اور وہاں سے بھاگی۔ ایک مناسب فاصلے تک بھاگنے کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ پیڑ کے پیچھے وہ محفوظ ہے تو وہ اسے دیکھ سکتی تھی۔

چندر شیکھرن نے وہ برتن اٹھایا جو وہ عورت پھینک گئی تھی اور تیزی کے ساتھ اپنے مہاوت کے پاس آیا۔ اس نے سونڈ سے مہاوت کے جسم پر چھینٹے مارے۔ جب اس نے ایسا کئی بار کیا تو رام آسرے ہوش میں آگیا۔ تب ہاتھی اس برتن کو کنویں پر چھوڑ کر واپس آیا۔

''مکانے! میرے بیٹے!'' رام آسرے منمنایا۔ ''تم نے کیا کر دیا! تم نے کیا کر دیا!''

ہاتھی کے گالوں پر آنسو بہنے لگے۔ اس نے اپنا سر اس طرح ہلایا جس سے لگا کہ اسے افسوس ہے۔ وہ تشدّد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن میں کب تک پیارے رام آسرے کوئی نقصان

برداشت کرتا۔

تب چندر شیکھرن کو اپنی پیاس یاد آئی۔ اس صبح سے اس نے ایک بوند پانی بھی نہیں پیا تھا۔ اب اپنے مہاوت کی صحت کی طرف سے مطمئن ہوکر ہاتھی کنویں کی طرف چلا۔

ڈول خالی تھا۔ بے چارا پیاسا ہاتھی پھر اپنے مہاوت کی طرف واپس آیا۔ ایک منٹ بعد وہ پھر کنویں پر واپس آیا اور ڈول میں پُرامید طریقے سے دیکھنے لگا۔ اب بھی اس میں پانی نہ تھا۔

رام آسرے نے چندر شیکھرن کی سونڈ پر پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا ''بے چارہ بچہ۔ اگر میں کھڑا ہوسکتا۔ میں جانتا ہوں کہ تو پیاسا ہے۔'' موبلا عورت اپنے چھپنے کی حد سے سب کچھ ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی ''بے چارا جانور، وہ پیاسا ہے۔''

اس نے اپنے آپ سے کہا۔ پھر ایک فوری فیصلے سے سوچا۔ مجھے اس کی مدد کرنا چاہیے۔ جو کچھ

ہوگا دیکھا جائے گا۔

وہ کنویں پر آئی اور اپنے ڈول سے پانی نکالا۔ وہ جب بھر گیا تو وہ ایک طرف کھڑی ہوگئی اور ہاتھی کی طرف اشارہ کیا جو دیکھ رہا تھا۔

''آؤ اور پی لو۔ لیکن مہربانی کر کے میرے برتن کو مت توڑ دینا۔''

چندر شیکھرن کو دوسرے دعوت نامے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جلدی سے کنویں پر آیا۔ احسان مندی کے ساتھ اس نے برتن اٹھایا اور پی گیا۔ جب پانی ختم ہوگیا تو اس برتن کو آہستہ سے رکھا اور انتظار کرنے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ اور چاہیے۔

اس عورت نے اور پانی نکالا اور برتن میں ڈال دیا۔ ہاتھی وہ بھی پی گیا۔ یہی ہوتا رہا جب تک شیکھرن نے سر کو اطمینان سے ہلایا اور اپنے مہاوت کے پاس واپس گیا۔ اس عورت نے اپنا برتن بھرا اور چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

چندر شیکھرن اور رام آسرے نے روزمرہ کی زندگی گزارنا شروع کی، جیسے مندر اور تہواروں میں جانا۔ لیکن اب ایک فرق ہوگیا۔ اپنے کھانے میں پورے ناریل، گنّے اور کٹّی۔ جو اسے کھانے کے لیے دیا جاتا، ہاتھی اس کے دو حصّے کر لیتا۔ ایک وہ اپنے لیے رکھ لیتا اور دوسرا حصّہ ایک چھوٹے سے چھپر میں لے جاتا۔

یہ جھونپڑا اس موبلا عورت کے گھر میں تھا جہاں وہ اپنے شوہر اور دو بچّوں کے ساتھ رہتی تھی۔ چندر شیکھرن وہ کھانا اس عورت کے دروازے پر رکھ دیتا اور آواز لگاتا۔ وہ عورت آتی اور اسے لے جاتی۔ یہ روز کا معمول ہوگیا۔ جب وہ بہت دور کے گاؤں میں جاتا تو بھی اس کا طے تھا کہ واپسی پر اس کا حصّہ لے کر آتا۔

ایک شام چندر شیکھرن اس عورت کے دروازے پر پودوں کا ایک مٹھا لیے پہنچا۔ اس عورت کے

صرف پانچ سال اور تین سال کے بچّے گھر پر اکیلے تھے۔ ان کا باپ اپنے کام پر گیا تھا اور ماں کنویں پر پانی بھرنے گئی تھی۔

ہاتھی نے ایک خوفناک منظر دیکھا۔ جھونپڑی میں آگ لگی تھی۔ شعلے کچّی چھت سے باتیں کر رہے تھے۔ خطرے سے بے خبر بچّے جھونپڑی میں کھیل رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں آگ پورے جھونپڑے کو کھا جاتی۔

کھونے کے لیے کوئی لمحہ نہیں تھا۔ چندر شیکھرن جھونپڑی کی طرف دوڑا۔ ہاتھی نے ایک جھٹکے میں جلتی ہوئی چھت کو دور پھینکا، وہ کئی سو فٹ دور جا کر گری۔ منٹوں میں چھت کا صرف بلّی والا حصّہ باقی رہ گیا۔

پھر چندر شیکھرن نے بچّوں کو بغیر چھت کی جھونپڑی سے اٹھایا اور ان کو ایک گھنے سایہ دار درخت کے پاس لے گیا۔ اس نے بچّوں کو درخت کے سائے میں بٹھا دیا اور انھیں پودوں کا مٹھا دے دیا۔

مسکراتے ہوئے بچوں نے کہا کہ بڑا مزا آیا۔ ہمیں پھر سواری کراؤ۔

وہ ہاتھی کی نظروں کے سامنے کھیلتے اور کھاتے رہے۔

عورت پانی کا برتن لے کر واپس آ رہی تھی کہ اس نے دور سے اپنی جھونپڑی جلتی دیکھی۔ کہا "یہ کیا ہوا...... کیسے ہوا؟ کیا یہ ہوسکتا تھا۔ او میرے خدا!"

"میرے بچّے، میرے بچّے!" وہ چلائی اور اپنی رہائش گاہ کی طرف دوڑی۔

گھبرائی ہوئی سانس چڑھا ہوا وہ اپنے گھر پہنچی جہاں اس نے بغیر چھت کا ڈھانچہ دیکھا۔ لیکن اس کی آنکھیں بچّوں کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس نے ہاتھی کو پیڑ کے قریب کھڑے دیکھا اور پیڑ کے سائے میں بچّوں کو کھیلتے دیکھا۔ وہ محفوظ تھے۔

''میرے پیارو! میرے پیارو!'' اطمینان کا سانس لے کر اس نے بچّوں کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

جب جذبات کے جوش میں کچھ کمی ہوئی تو اس کی نظریں ہاتھی پر پڑیں۔ اس کی آنکھیں احسان مندی کی روشنی سے چمکنے لگیں۔ ''اور میرے پیارے چندر شیکھرن میں تمھاری اس مہربانی کا بدلہ کیسے چکا سکوں گی۔''

☆ ☆ ☆

رام آسرے اور چندر شیکھرن ایک بار ایک مندر میں ایک تہوار میں تھے۔ صبح کی تقریبات کے بعد مہاوت نے ہاتھی کے زنجیر ڈالی۔ اس کا کھانا دیا اور خود نہانے کے لیے گیا۔

ہاتھی جب اپنا کھانا کھا رہا تھا شہر میں بچّوں کا ایک گروپ اس کے پاس اکٹھا ہو گیا۔ ایک لڑکے کو موقع ملا اور اس نے چندر شیکھرن پر ایک پتھر پھینکا۔ پتھر ہاتھی کے لگا اور وہ غصّے میں بھر گیا۔
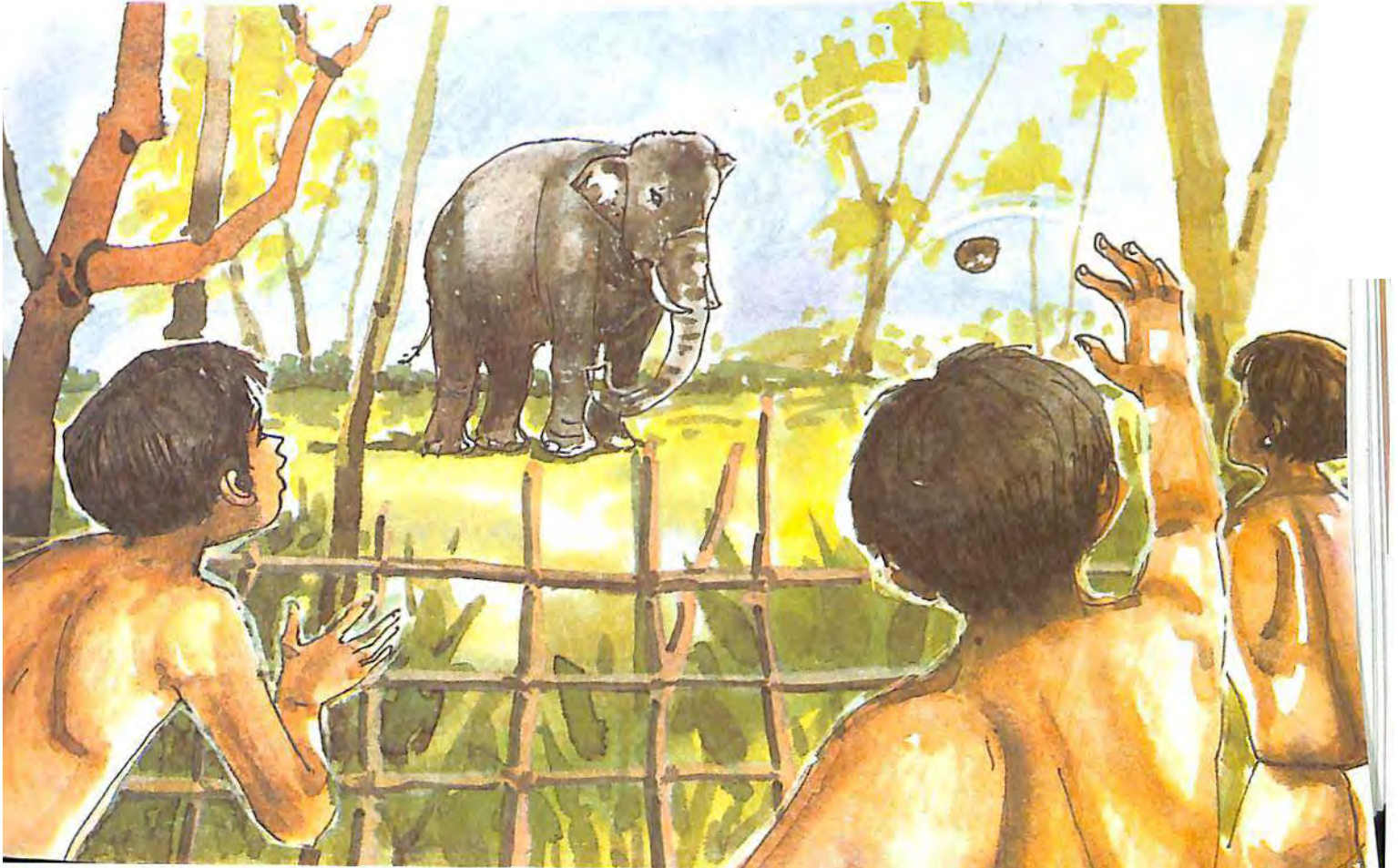
چندر شیکھرن نے اگلے پیروں کے پاس پڑی ہوئی چیزوں کو دیکھا اور پتھر مارنے والے کو پہچان لیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہاتھی اس کو اچھی طرح دیکھ پائے وہ بھاگ گیا تھا۔

جب اس نے کھانا ختم کیا تو چندر شیکھرن نے پتھر کا ٹکڑا اپنے منہ میں دبا لیا۔

پتھر ہاتھی کے منہ میں رہا۔ وہ ہر کھانے سے پہلے اسے نکال دیتا تھا اور کھانے کے بعد پھر وہیں رکھ لیتا تھا۔ رام آسرے نے اپنے شاگرد کا یہ عمل دیکھا۔ لیکن اس نے اسے اس کا شغل سمجھا۔

اس سال ہمیشہ کی طرح رام آسرے اور چندر شیکھرن تروانت پورم گئے۔ جب وہ مہاراجہ کارتھیکا تھیرونل کی خدمت میں گئے تو ہاتھی نے احترام میں اپنے اگلے گھٹنے جھکا دیے۔ پورے ناریل اور کٹی اس کے سامنے رکھے گئے۔

مہاراجہ کو بہت تعجب ہوا کہ ہاتھی نے اسے دو حصّوں میں بانٹ کر ایک حصّہ الگ رکھ دیا۔

''یہ کس لیے کر رہا ہے؟''

''یہ احسان مندی کا نشان ہے مہاراجہ!'' رام آسرے نے جواب دیا اور اس نے مہاراجہ کو موپلے عورت اور ہاتھی کے عجیب تعلق کے بارے میں بتایا۔

''او، ایسا ہے'' راجہ نے تعجب سے کہا۔ ''تمھیں اس کے لیے اپنا کھانا دینے کی ضرورت نہیں ہے چندر شیکھرا! ہم غذا کی قیمت رام آسرے کو دے دیں گے اور وہ اس عورت کو پہنچا دے گا۔''

مہاراجہ کے یقین دلانے پر چندر شیکھرن اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے پہلے اپنے منہ سے پتھر نکالا اور اسے ایک پیر کے نیچے دبا لیا پھر اس نے کھانا کھایا۔

''اب یہ کیا ہے'' اس غیر معمولی رسم کو دیکھ کر مہاراجہ کو پھر تعجب ہوا۔ ''کیا تم اس کی وجہ بتا سکتے ہو؟''

''نہیں مہاراجہ میں نہ بتا سکوں گا'' مہاوت نے انکار میں سر ہلایا۔

بات یہیں ختم ہوگئی۔

کئی سال بعد ہاتھی رام آسرے تروانت پورم سالانہ میلے میں گئے۔ اب تراونکور کا راجہ بہت ہی عقل مند اور شاعر سواتی تھیرونل راما ورما تھا۔

مندر کے تہوار کے دوران اس مقدس مورتی کو جلوس کی شکل میں سمندر میں غسل دینے کے واسطے لے جایا جارہا تھا یکا یک چندر شیکھرن نے تماشائیوں کی بھیڑ میں اس آدمی کو دیکھا جس کی اسے تلاش تھی۔ ایک دم ہاتھی نے اس پتھر کو اپنے منہ سے نکالا اور اس آدمی کو کھینچ کر مارا۔ وہ آدمی گر گیا۔ اس پتھر کے لگنے سے اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔

چندر شیکھرن اپنے دشمن کی طرف غصّے میں اُسے کچلنے کے لیے بڑھا۔ بھیڑ چاروں طرف چھٹ گئی۔ لوگ چلائے اور اپنی جان بچانے کو بھاگے تاکہ وہ پاگل ہوئے ہاتھی کے سامنے نہ پڑ جائیں۔

مہاراجہ اپنی جگہ پریشان کھڑے تھے۔ یکا یک ہاتھی رُک گیا۔ اس نے سواتی تھیرونل کو دیکھا اور ان کا احترام کیا۔ تب اس نے وہ پتھر اٹھایا اور پھر اسے اپنے منہ میں رکھ لیا۔

اگلے دن ہاتھی اور زخمی دونوں کو مہاراجہ کے سامنے لایا گیا۔

''یہ سب کس لیے تھا'' مہاراجہ نے زخمی آدمی سے پوچھا۔ ''اس نے یہ پتھر تم پر ہی کیوں پھینکا۔''

''یہ سب میرا قصور تھا مہاراجہ، برس گزر گئے جب میں ایک لڑکا تھا، میں نے پتھر اس پر پھینکا تھا۔ میں تو اس واقعے کو بھول بھی گیا تھا۔ اس نے آج اس کا بدلہ لے لیا۔''

~~~~~~~
~~~~~~~

دیوتاؤں اور راکششوں کی جنگ

ترانکور کے مہاراجہ سواتی تھیرونل کے زمانے میں کیپوزہ کا تھامبن نہ صرف ڈاکٹری کے لیے مشہور تھا بلکہ اپنے جادوئی داؤ پیچ کے لیے بھی جانا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے کمالات اور آنکھوں میں بھرم پیدا کرنے کے لحاظ سے کوئی اس کا ثانی نہیں تھا۔

ایک بار تھامبن کا تروانت پورم جانا ہوا۔ اس وقت ٹھیک دوپہر کا وقت تھا جب وہ کارویلا پورہ کے محل میں پہنچا۔ مہاراج سواتی تھیرونل اس مہمان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کا حال چال پوچھا۔

''کافی وقت گزر گیا جب تم سے ملاقات ہوئی تھی تھامبن۔ پچھلی بار جب تم یہاں آئے تھے تو بغیر اپنے کمالات دکھائے چلے گئے تھے۔ اب ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ آج تو تم کو کوئی جادو ضرور ہی دکھانا ہوگا۔''

''حقیقت میں میرا جادو اتنا اچھا نہیں ہے کہ آپ کے سامنے دکھایا جاسکے۔ مہاراج اور پھر میرے پاس کوئی نئی چیز نہیں ہے کہ آپ کو دکھاسکوں مہاراج۔''

''بس اور انکساری مت دکھاؤ اس بار تو ہمیں کوئی نئی چیز دکھاؤ۔''

''ٹھیک ہے اگر آپ مجبور کرتے ہیں تو دکھاؤں گا مگر اس وقت کچھ زیادہ تکلیف دہ گرمی پڑ رہی ہے۔

کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ اب بارش ہو ہی جانی چاہیے۔ تھامبن تم کیا کہتے ہو۔ تم تو ایک نجومی بھی ہو۔ کیوں ہونا......؟ اب مرّیخ اور زہرہ کی چالیں کیا کہتی ہیں؟''

''اب وہ جہاں ہیں رہنے دیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ آج بارش ہونی چاہیے۔''

''ایسا مت کہو تم۔ آج تو نہیں۔ آج تو بارش کے بالکل بھی آثار نہیں ہیں۔''

''بارش کسی کی محتاج نہیں ہوتی۔ کسی شاعر نے بھی تو کہا ہے:

سوکھے یا سیلاب کی پیشن گوئی

بس سے باہر ہے ہر ایک بھگوان کے

پھر بھلا انسان کی کیا ہے بساط۔''

''کیا ایسا ہے؟ اور پھر اگر ایسا ہے تو تم نے کیسے کہا کہ آج بارش ہوگی؟ کیا تم بارش کے دیوتاؤں سے اوپر کی چیز ہو......!''

''بھگوان مجھے معاف کریں۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ اور پھر مہاراج کے ساتھ بھی بڑے بول بولنا گستاخی کی بات ہے۔ اس سب کے باوجود مجھے یقین ہے کہ آج بارش ضرور ہوگی۔''

''تو ٹھیک ہے بھئی۔ اگر تم آسمان کو پھاڑ سکو تب الگ بات ہے۔ پھر اس شدید گرمی سے بھی راحت ملے گی اور تمھارا انعام بھی تمھاری قابلیت کے حساب سے ہی ملے گا۔''

اور وہ لوگ جب یہ باتیں کر ہی رہے تھے تو مہاراج ساتھ ہی آسمان کا جائزہ لے رہے تھے۔ اچانک ان کو آسمان میں نظر آیا بادل کا ٹکڑا۔ پھر ایک اور ...... اور پھر ایک اور۔ جلد ہی آسمان میں چاروں طرف بھورے اور کالے بادل چھا گئے۔ بجلی چمکی ...... بادل گرجنے لگے۔

''میرے خیال سے تم ٹھیک کہہ رہے تھے تھامبن۔ لگتا ہے کہ بارش ہوگی۔ اور یہ ہوا ...... کتنی ٹھنڈی ہے۔ چلو ہم برآمدے میں چلتے ہیں اور ٹھنڈی ہوا کا مزا لیتے ہیں۔''

اب بارش شروع ہوگئی تھی۔ زبردست بارش ہوئی۔ بجلی کے چمکنے سے آسمان پھٹا جارہا تھا بادلوں کے گرجنے سے قہر ٹوٹ پڑا۔

جلدی ہی شاہی محل کا تالاب پدما تیرتھم بھر گیا اور اس میں سے پانی نکل کر آنگن میں پھیلنے لگا۔ موسلا

دھار بارش ہوتی رہی اور پانی پھیلتا گیا اور اوپر چڑھتا گیا۔

''اب کیا کریں؟ پانی اوپر چڑھتا جارہا ہے۔ کسی بھی منٹ پانی محل کے اندر گھس جائے گا'' سواتی تھیرونل نے پریشان ہوکر پوچھا۔

''مجھے خود تعجب ہے......صرف بھگوان ہی جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔'' تھامبن نے دھیرے سے جواب دیا۔

پانی کی سطح اوپر اٹھتی رہی اور پانی برآمدے میں پہنچ گیا جہاں یہ لوگ کھڑے تھے۔ پر اس سے پہلے کہ ان لوگوں کو حالات کی سنگینی کا احساس ہوتا پانی گھٹنوں تک پہنچ گیا۔ مہاراج کے چہرے پر پریشانی کے سائے صاف نظر آرہے تھے۔

''اب سب ختم ہوگیا'' مہاراج سواتی تھیرونل نے سوچا۔ پھر موجودہ حالات سے اپنا دھیان ہٹاتے ہوئے پوری توجہ بھگوان پدمانابھا پر مرکوز کی اور سختی سے پیر جما کر بھگوان کا دھیان کرنے میں مشغول ہوگئے۔

اُسی وقت مہاراج کی نظر اٹھارہ چپّوؤں سے چلنے والی ناؤ پر پڑی جو سیلاب کے پانی میں ہچکولے لے رہی تھی۔ دھیرے دھیرے وہ اس طرف ہی آگئی جدھر یہ دونوں لوگ کھڑے تھے اور پھر بالکل برآمدے میں ہی آگئی۔

جلدی مہاراج، ناؤ میں آجایئے۔ آپ بہت خطرے میں ہیں'' سواتی تھیرونل نے ناؤ چلانے والوں کو کہتے سنا۔

''چلو تھامبن چلیں۔ جلدی کرو'' یہ کہتے ہوئے مہاراج نے اپنا ایک پیر ناؤ میں رکھنے کے لیے اٹھالیا۔

''اوے رُکیے تو مہاراج'' تھامبن مہاراج کو روکتے ہوئے بولا۔ ''آپ کیا کررہے ہیں......؟''

''اگر ہم فوراً ہی کشتی میں سوار نہیں ہوئے تو......!''

''کیسی کشتی مہاراج......؟''

مہاراج نے پھر دیکھا اور پھر دیکھا ...... تھامبن بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اب تو انھیں کوئی کشتی ہی نظر

نہیں آ رہی تھی ...... نہ کہیں پانی تھا...... اور نہ ہی بارش یا بجلی کی چمک و بادل کی گرج ...... وہاں تھا تو بس سہ پہر کا سورج۔ ویسے ہی چمکتا اور دہکتا سورج۔

''اوہ یہ اس کی حرکت تھی جو کرنا تھا کر گزرا'' راجہ کو احساس ہو گیا۔

''یہ تو کچھ زیادہ ہی ہو گیا'' راجہ نے کہا۔ ''تم کو اتنا زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی ...... چلو خیر۔ یہ ایک اچھا خاصا شعبدہ تھا جو تم نے ہمارے سامنے پیش کیا اب کل عوام کے سامنے تمھارا ایک کرتب دکھانے کا بندوبست کیا جائے۔''

اگلے دن محل کے آنگن میں تھامبن کا کرتب دکھانے کا اہتمام کیا گیا۔ پورا شہر استاد کے کمالات دیکھنے اُمڈ پڑا۔

تھامبن نے آرام سے کھڑاؤن پہنیں اور بغیر کسی گھبراہٹ یا پریشانی کے پدماتیرتھم تالاب کے پانی پر

چلنے لگا۔ تالاب کے بیچ میں اس نے پانی کی سطح پر ایک قالین بچھایا اور اپنے اوزار اس پر رکھ دیے۔ پھر وہیں سے اس نے تماشائیوں کو کافی کھیل تماشے دکھائے۔

سواتی تھیرونل بے انتہا خوش ہوئے اور اپنے مہمان کو تحائف سے لاد دیا جس میں ایک ہزار چاندی کے سکّے تھے۔

☆ ☆ ☆

تر وانتت پورم کے ایک دوسرے دورے کے دوران تھامبن راجہ کے کہنے پر عوام کے لیے تماشا دکھانے کو تیار ہوگیا۔

جیسے ہی اس نے محل کے آنگن میں قالین بچھایا اور تماشے کی تیاریاں شروع کیں تبھی اچانک آسمان سے ایک رسّی نیچے کی طرف آئی اور ٹھیک اس جادوگر کے سر پر ہوا میں جھولنے لگی۔ اس رسّی کے کنارے پر چمڑے کا ایک پارچہ بندھا تھا۔

''ارے......ارے یہ کیا ہے؟'' تھامبن نے یہ کہتے ہوئے رسّی کی گانٹھ کو کھولا۔

''اوہ میں اب یہاں ایک پل بھی نہیں ٹھہر سکتا'' اس خط کو پڑھ کر وہ راجہ کی طرف مڑا۔ ''یہ بھگوان اندر کی طرف سے حکم نامہ آیا ہے۔ مجھے فوراً جانا چاہیے۔ میں اپنا تماشا جنّت سے واپس آ کر دکھاؤں گا۔''

تھامبن نے وہ خط راجہ کی طرف بڑھا دیا۔

خط سنسکرت میں تھا۔ دیوتاؤں کی زبان۔ لکھا تھا۔ بھگوان اندر کے سورگ پر اسوروں نے حملہ کر دیا ہے۔ دیوتاؤں اور راکششوں کے درمیان گھماسان کی جنگ ہو رہی ہے۔ بھگوان اندر خود دیوتاؤں کا راجہ تھا۔ اس نے تھامبن کی خدمات مانگی تھیں۔ خط بالکل صحیح تھا اس پر تھامبن کا نام و پتا لکھا تھا اور ساتھ ہی اِندر دیوتا کے دستخط و مہر بھی تھی۔ ابھی راجہ سواتی تھیرونل وہ حیران کر دینے والا خط پڑھ ہی رہا تھا کہ تھامبن اس رسّے پر چڑھ گیا جو سورگ تک جا رہی تھی۔ اوپر اور اوپر وہ چڑھتا گیا اور چند لمحوں میں آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

مہارج اور ان کے عوام حیران و پریشان کھڑے ان بدلتے ہوئے واقعات کو دیکھتے رہے۔

وہ واقعی غائب ہو گیا۔

وہ لوگ انتظار کرتے رہے۔ وقت گزرتا رہا۔

تمام تماشائی کتنی دیر تک کھڑے تکتے رہے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ پندرہ منٹ یا پھر آدھا گھنٹہ شاید ......
اچانک بارش ہونے لگی۔ شروع میں تو اکاّ دُکاّ بوندیں پڑیں پھر تیز بارش۔ مگر ......

''یہ تو خون ہے'' کوئی چلاّیا۔

''خون کی بارش'' سیکڑوں گلوں سے ایک ساتھ چیخیں نکل پڑیں۔

خون کی بارش اب جھڑی لگنے کی طرح ہو رہی تھی تیز بہت تیز۔

''ارے ......ارے وہ کیا ہے؟''

''یہ تو ہاتھ ہے......ارے ہاں ایک ہاتھ۔''

''اور یہ ایک ٹانگ۔''

''ارے......اب تو جسموں کی بارش ہونے لگی......دیکھو۔''

اور واقعی جسموں کی بارش ہو رہی تھی۔ جسموں کے کٹے ہوئے ٹکڑے، کٹے ہوئے ہاتھ، کٹی ہوئی ٹانگیں، سر اور بے سر کے جسم آسمان سے زمین پر برس رہے تھے۔

اس سب ہنگامے کے باوجود مہاراجہ بغیر پریشان ہوئے کھڑے تھے۔ ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر تیر رہی تھی کیوں کہ انھیں پکا یقین تھا کہ یہ سب اور کچھ بھی نہیں تھامبن کا زبردست شعبدہ تھا۔

مگر ذرا سوچیے سواتی تھیرونل کو کتنا زبردست دھکا لگا ہوگا جب اچانک ہی بغیر کسی اطلاع کے اس عظیم شعبدہ گر کا خون میں لت پت بغیر جسم کا خالی سر اس خونی ڈھیر پر آ گرا۔

''تھامبن......نہیں......'' راجا چلّایا۔

مہاراجہ کی ماں بے ہوش ہو گئیں۔ کسی نے زور سے چلّا کر کہا۔

''ماں!'' سواتی تھیرونل جلدی سے بے ہوش ماں کی طرف مڑا۔ تبھی اس نے اپنے پیچھے آہٹ محسوس کی اور آواز آئی۔

''آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔''

راجہ تیزی سے مڑا۔ اس نے تھامبن کو فخریہ انداز میں کھڑے دیکھا اور وہ جنگ......خون اور خون کے لتھڑے......سورگ کے لوگوں کے مردہ جسم......آنگن میں ان خوف ناک مناظر کا نام و نشان ہی نہیں تھا جن سے سبھی لوگ ڈر اور سہم گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

ایک اور موقعے پر جب تھامبن پنتھالم کے راجہ سے ملنے گیا تو راجہ نے اس جادوگر سے اس کا تماشا دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

''حضور کافی عرصہ ہوا میں نے اس طرح کا تماشا نہیں دکھایا'' عمر رسیدہ شعبدہ گر نے جواب دیا ''اب میں کافی بوڑھا ہو گیا ہوں میرے لیے اب اس طرح کے تماشے کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔''

''عمر کی کوئی قید نہیں ہے تھامبن ۔تم انکساری سے کام لے رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے تم کس قابل ہو۔ میں تم کو کسی بھی قیمت پر اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا جب تک، کہ تم اپنا کوئی مشہور جادو نہیں دکھا دیتے۔

تھامبن نے کوئی جواب نہیں دیا مگر وہ رات کو پنتھالم میں ہی رکا اور اگلے دن صبح سویرے راجہ کے ساتھ پوجا پاٹ کرنے ندی پر گیا۔

''کیا یہاں مگر مچھ ہیں......؟'' ندی کے کنارے کھڑے راجہ اور تھامبن جب اپنے دانت صاف کررہے تھے تب تھامبن نے راجہ سے سوال کیا۔

''نا کے برابر، اس زمانے میں تو ہرگز نہیں۔ جب کبھی ندی میں سیلاب آتا ہے تب کچھ مگر مچھ نظر آجاتے ہیں اب اس زمانے میں تو ہرگز نہیں اس وقت تو یہاں نہانے کے لیے بھی پانی پوری طرح نہیں ہے مگرمچھوں کی تو بات ہی چھوڑو۔''

ابھی راجہ کے لبوں سے یہ الفاظ پوری طرح سے ادا بھی نہیں ہو پائے تھے کہ ایک ابھری ہوئی بڑی سی مضبوط تھوتھنی والا مگر مچھ ندی کے پانی میں سے ابھرا۔

''ارے ایک مگر مچھ'' راجہ جوش میں چلایا۔

وہ مگر مچھ سیدھا ان دونوں آدمیوں کی طرف آیا جو ندی کے کنارے کھڑے تھے۔

''دیکھو، دیکھو دھیان دو'' را[illegible]ا سے باہر بھاگتے ہوئے چلّایا۔

مگر افسو تھامبن نہیں نکل پایا۔ مگر مچھ اس بوڑھے جادوگر سے زیادہ تیز نکلا۔ چند لمحوں میں ہی مگر مچھ اس کے سر پر پہنچ گیا اور اسے گرا کر کھینچتا ہوا ندی میں لے گیا۔ ''آپ نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا مہاراج'' اس مجبور آدمی نے زور سے راجہ سے پوچھا جسے مگر مچھ راجہ کی ڈری ہوئی نظروں کے سامنے دور اور دور لیے جا رہا تھا۔

''آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ ندی میں کوئی مگر مچھ نہیں ہے۔ یہ آپ نے کہا تھا۔ آپ نے تو مجھے مگر مچھ کے آگے پھینک دیا۔''

راجہ ڈر اور وحشت کے مارے گونگا ہو گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی عام سی بات چیت کا انجام اتنا بھیانک ہوگا۔ اب تو بہت دیر ہو چکی تھی کچھ نہیں ہو سکتا تھا سوائے پچھتانے کے۔ مگر مچھ اپنے شکار کے ساتھ غائب ہو چکا تھا۔

بے چارہ تھامبن!

راجہ اپنے لوگوں کو بلانے کے لیے چیخا۔ جلد ہی کافی تعداد میں لوگ ندی کنارے جمع ہو گئے۔ کچھ ہی دیر میں مچھوارے اپنے جال لے کر آ گئے۔ غوطہ خور بھی آ گئے۔ ان لوگوں نے تھامبن اور مگر مچھ کو تلاش کرنے کے لیے ندی کا کونا کونا چھان مارا۔

مگر کچھ بھی ہاتھ نہیں لگا۔

وہاں نہ تو وہ مگر مچھ ہی تھا نہ ہی اس کا شکار۔ گھنٹوں تلاش جاری رہی مگر ناکامی کے علاوہ کچھ نہ ملا اور پھر تلاش کا سلسلہ روک دیا گیا۔

دل برداشتہ راجہ ندی کنارے سے واپس ہوا اور مندر چلا گیا حالاں کہ دن کافی چڑھ آیا تھا مگر ابھی تک مندر کھلا ہوا تھا۔ پجاری نے سوچا ہوگا کہ راجہ جب تک پوجا نہ کرے مندر بند کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

''آج آپ کو اتنی دیر کیسے ہوگئی؟''

راجہ نے سر اٹھا کر سوال کرنے والے کی طرف دیکھا۔

اور شاید راجہ کو اتنا تعجب کبھی نہ ہوا ہوتا اگر کوئی اس کو گھونسا مارتا جتنا اسے سامنے والے کو دیکھ کر ہوا تھا۔

''ارے تھامبن ...... یہ تم ہو......''

اور واقعی تھامبن ہی اس سے مخاطب تھا۔

''تم یہاں......؟''

''کیوں...... میں تو اس تمام عرصے یہیں پر رہا ہوں...... پر آپ کہاں تھے جناب!''

''آخر آپ کو اتنی دیر کیسے ہوئی......؟''

جب راجہ کو راحت اور شرمندگی کا احساس ہونے لگا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہنسے یا چلّائے۔

''اوہ تو تم نے ایک بار پھر سے کر دکھایا، تھامبن۔ مجھے اچھی طرح سے بے وقوف بنا دیا ہے نا ...... اگر مجھے پتا ہوتا کہ......''۔

''یاد ہے مہاراج یہ آپ کا ہی حکم تھا کہ ایک نیا تماشا!''

یہ بنڈل اور بے وقوف

کیرالا کے ہرے بھرے میدان بہت سے حشرات الارض کا زندگی گزارنے کا ایک بہت ہی محفوظ مقام ہے ان میں سانپ بھی ایک ایسا کیڑا ہے جو یہاں کافی تعداد میں پایا جاتا ہے اور چوں کہ یہاں سانپوں کی کافی زیادہ قسمیں اور ان کی تعداد بھی کافی ہوتی ہے اس لیے سانپ کا کاٹنا بھی یہاں ایک عام سی بات ہے اور ظاہر ہے کہ جو معالج سانپ کے کاٹے کے علاج میں مہارت کر لیتے ہیں وہ یہاں پھلتے پھولتے بھی ہیں۔

کافی پہلے کی بات ہے کوزی کوڈ کے ایک قصبے میں زہر اُتارنے والا ایک معالج رہتا تھا جو بہت مشہور تھا۔ اس کا رُتبہ اتنا بڑا تھا کہ وہ کبھی کسی مریض کے پاس نہیں جاتا تھا۔ اگر کسی مریض کو علاج کی فوری ضرورت ہوتی تھی تو علاج کروانے کے لیے مریض اس کے گھر لے جایا جاتا تھا۔

وہ معالج علاج کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مریض یا اس کے دوست احباب تحائف و نقد انعام سے اس معالج کو لاد دیتے تھے اس لیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ زہر کا علاج کرنے والا معالج ایک امیر آدمی بنتا چلا گیا۔

یہ بھی ناگزیر تھا کہ ایسے معالج کے پاس اس کا شاگرد بننے کے لیے لوگ نہ کھنچے چلے آتے ہوں۔ بہت سے لوگ اس معالج کے پاس اس کا فن سیکھنے کے لیے آتے اور ہر ایک شاگرد کو اس نے علاج کرنے کے لیے ایک ایک منتر دیا۔

اس معالج کے پڑوس میں ہی ایک خستہ حال خاندان رہتا تھا۔ وہ لوگ ایک بوسیدہ سے جھونپڑے میں رہتے تھے۔ کوچورمن نام کا ایک نوجوان بھی اس خاندان کا ایک فرد تھا۔

غریبی سے بے حال اور عزت کی روٹی کمانے کے لیے بے چین اس لڑکے نے سانپوں سے ڈسے ہوئے لوگوں کا علاج کرنے کا کام سیکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس زہر کا علاج کرنے والے معالج کی خوش حال زندگی اس کے سامنے ایک روشن مثال تھی۔

''مہربانی کر کے میری مدد کرو میں بھی یہ علم سیکھنا چاہتا ہوں'' کوچورمن نے معالج کے کچھ شاگردوں سے درخواست کی۔

''اوہو۔ تو تم معالج بننا چاہتے ہو'' مذاق اڑانے کے انداز میں انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''ایک کام کرو...... استاد کے پاس جا کر درخواست کرو۔''

''مگر استاد کو کچھ نہ کچھ گورودکشنا (تحفہ) تو دینا ہی ہوگا۔''

''کیا بس یہی کافی ہے؟'' وہ سیدھا سادا لڑکا مسکرایا۔

''ارے نہیں۔ یہ تو بس شروعات ہے۔ ایک بار استاد نے تم کو اپنا شاگرد مان لیا تو وہ تم کو ایک منتر دیں گے۔''

''ہاں اور وہ منتر کامیاب کرنے کے لیے تم کو اس منتر کا ایک ایک لفظ ایک لاکھ بار دہرانا ہوگا اور جب تم کو وہ پورا منتر اچھی طرح سے یاد ہو جائے گا تو پھر تمھیں اتنا ہی کرنا ہے کہ کسی سانپ کے کاٹے مریض پر وہ منتر پڑھنا ہوگا اور ساتھ ہی اس پر پانی کے چھینٹے بھی دیتے رہنا ہوگا......''

''یا کچھ متبرک راکھ وغیرہ......''

''بس...... اس کے بعد بچہ جب تک تم سمجھ پاؤ گے کہ مریض ٹھیک ہے۔''

''ارے اتنا آسان؟'' کوچورمن نے پوچھا۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل کر گول ہو گئی تھیں۔

''ہاں اتنا ہی آسان......''

ان نوجوان طالب علموں نے مسخرے انداز میں جو کہنا تھا کہا اور چلے گئے۔

اب کوچورمن کو ایک پریشانی تھی۔ اور وہ تھی گورودکشنا۔ پورے خاندان کی اتنی بُری حالت تھی کہ وہ

کوئی بھی قیمتی چیز یا نقدی اپنے استاد کو تحفہ نہیں دے سکتا تھا۔

لڑکا بڑی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے دماغ نے قلابازیاں کھانی شروع کیں کہ کیسے اس مشکل کو حل کیا جائے۔ یہاں تک کہ اس کی چمکدار آنکھیں اداس ہوتی چلی گئیں۔ اپنی بدقسمتی پر کہ وہ قسمت کا مارا کہاں آ کر پھنس گیا۔

پھر جب اس نے اپنے گھر میں کچھ تلاش کرنے کے لیے آنکھیں گھمائیں تو اسے جھونپڑی کی بوسیدہ دیوار پر بیل نظر آئی جس میں پھل بھی لٹک رہے تھے۔

''''''مل گیا......مل گیا! بیل......تومبا......''

جلدی سے کوچورمن نے ان پھلوں کو بیل سے توڑا اور ایک کپڑے میں باندھ کر رکھ دیا۔

اگلے دن صبح سویرے کوچورمن طبیب کے گھر پہنچ گیا۔ ابھی تو اور دوسرے طالب علموں کے آنے میں کافی وقت تھا۔

''ماسٹر...... ماسٹر!......''

''کون ہے بھائی؟''
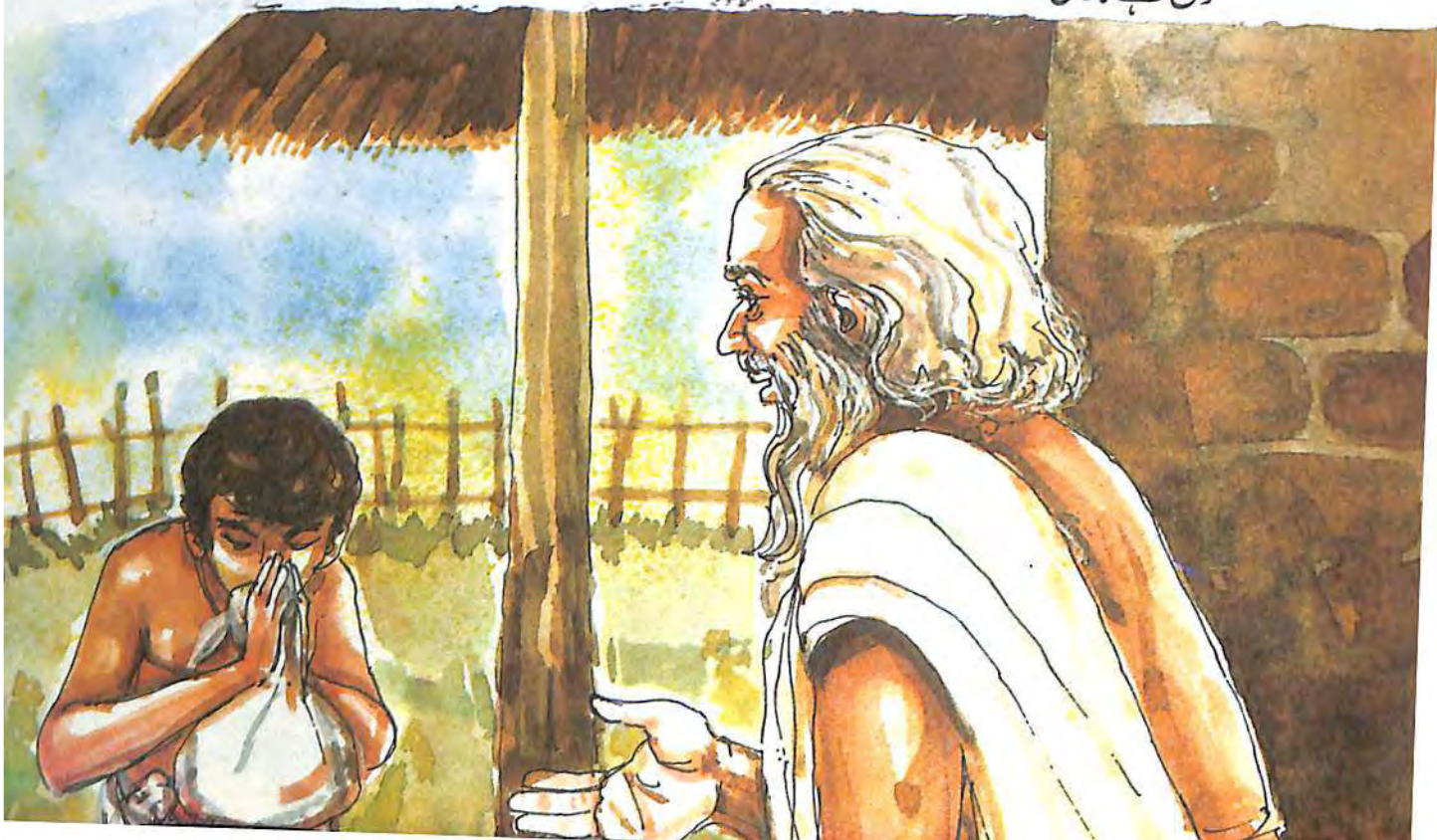
طبیب نے گھر سے باہر آ کر دیکھا کہ اس کا پڑوسی کوچورمن احاطے میں کھڑا تھا۔
''اوہوتو یہ تم ہو...... کیا چاہیے تمھیں؟''
بغیر کچھ بولے کوچورمن نے تو تنبیہوں کا وہ بنڈل ماسٹر کے قدموں میں رکھ دیا اور تعظیم کے لیے اس کے قدموں میں جھک گیا۔
''آپ مجھے بھی سانپ کے کاٹے کا زہر اتارنے کا طریقہ سکھا دیجیے استاد۔''
''یہ بات ہے'' ماسٹر مسکرائے مگر اس کام کے لیے........... یہ بنڈل کیوں بے وقوف؟''
کوچورمن نے ماسٹر کی بات ختم ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا جہاں تک اس کا تعلق تھا اسے تو وہ متبرک منتر مل گیا تھا۔ یہ بنڈل کیوں بے وقوف۔
بغیر کچھ کہے اس نوجوان نے سر تسلیم خم کیا اور بھاگ لیا۔
''ارے رکو......''
مگر کوچورمن تو جا چکا تھا۔
''شاید مجھے اس سے اس طرح بات نہ کرنی چاہیے تھی۔ اس لڑکے کے اچانک اس طرح جانے سے ماسٹر نے سوچا۔ شاید میں نے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ بے چارہ لڑکا۔
اور دوسری طرف کوچورمن کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ اس کی بے عزّتی ہوئی ہے۔ وہ تو بے انتہا خوش تھا کہ چشم زدن میں اس کو استاد نے وہ منتر دے دیا تھا۔ نوجوان خوشی سے پھولا اپنے گھر آیا نہایا ایک لیمپ روشن کیا اور وہیں بیٹھ گیا۔
منتر کے ان بولوں کو دہرانے لگا، ہر لفظ کو ایک لاکھ بار کہتا تھا۔ اب چوں کہ اس کے منتر میں پانچ لفظ تھے ''ارے یہ بنڈل۔ او بے وقوف'' اس کو اسے پانچ لاکھ بار دُہرانا تھا۔
پھر وہ لڑکا اپنا کام پورا کرنے بیٹھا۔ جب تک اس نے اپنا کام پورا نہیں کر لیا اسے نہ تو تھکن محسوس ہوئی نہ اسے بھوک پیاس کا احساس ہوا۔
کوچورمن نے ''ارے یہ بنڈل۔ او بے وقوف'' کا جاپ ایک لاکھ بار کیا پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ اب وہ اپنے آپ بہت اطمینان محسوس کر رہا تھا۔

''ہا...... یہ ہوئی ...... بات...... میں کامیاب ہو گیا......اب میں بھی سانپ کے کاٹے کا علاج کرنے والا طبیب بن گیا ہوں۔''

اور اس طرح اس غریب لڑکے کی پیشہ ورانہ زندگی شروع ہوئی ایک زہر اُتارنے والے طبیب کی حیثیت سے۔

کوچورمن اپنے ہم پلّہ طبیبوں سے مختلف تھا۔

عام طور پر سانپ کے کاٹے کا علاج کرنے والے طبیب کسی کے گھر جا کر علاج نہیں کرتے، یہ ایک طرح کا حکم ہے جو تحریر میں ملتا ہے۔ بس کہا جاتا ہے کہ یہ ایک معاہدہ ہوا تھا۔ سانپوں اور زہر کا علاج کرنے والے طبیبوں کے بیچ۔ اس معاہدے میں دونوں کے بیچ یہ طے پایا تھا کہ سانپ کسی شخص کو بلاوجہ نہیں کاٹیں گے اور اس کے بدلے میں زہر کا علاج کرنے والے طبیب کسی کا علاج کرنے اس کے گھر تک نہیں جائیں گے۔

ہمارا ہیرو اس روایت سے بے خبر تھا۔ اسے تو کسی قانون یا تھیوری کا کوئی علم نہ تھا۔ اس کے پاس تو بس وہ منتر تھا۔ اور تھا بہت سارا جوش۔

اب جب بھی اس نوجوان کو کسی سانپ کے کاٹے مریض کا پتا چلتا وہ فوراً وہاں پہنچ جاتا اور زہر باہر نکالنے کا کام شروع کر دیتا۔ وہ پانی یا راکھ کا چھڑکاؤ اس مریض پر کرتا جاتا اور ساتھ ساتھ منتر بھی پڑھتا جاتا۔ شروع شروع میں تو لوگ کوچورمن کی صلاحیت سے واقف نہیں تھے اور شک کرتے تھے کیوں کہ اس کا منتر کچھ عجیب سا تھا اور اس کا انداز بھی طبیبوں والا نہیں ہوتا تھا۔

کوچورمن کے علاج کے نتائج بڑے زبردست تھے۔ اس کا منتر شاذ و نادر ہی ناکام ہوتا تھا۔

اور زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ کوچورمن کو طبیبوں جیسی عزت ملنے لگی اور نہ ہی وہ کبھی اپنی خدمات کی اجرت لینے سے ہچکچاتا تھا۔ کیوں کہ اس نے زہر کا علاج کرنے والے طبیبوں کے اس معاہدے کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ صرف اتنا ہی لینا ہے جتنا کوئی اس کو دینا چاہتا ہو۔ اور یہ ٹھیک بھی تھا کیوں کہ اس نے بھوک اور غربت کی وجہ سے ہی اس پیشے کو اختیار کیا تھا اس لیے وہ اس اجرت کو چھوڑ ہی نہیں سکتا تھا۔

رفتہ رفتہ کوچورمن ایک امیر آدمی بن گیا اس نے اپنے لیے ایک محل نما گھر بنوالیا کافی جائیداد بنائی اور زیورات و دوسری قیمتی اشیا جمع کر لیں۔

☆ ☆ ☆

کوزہی کوڈ کے راجہ کو سانپ نے کاٹ لیا۔ سانپ کے زہر کا علاج کرنے والے طبیب بلائے گئے۔ آس پاس اور دور دور کے طبیب آئے مگر سب کی محنت بے کار گئی۔

راجہ کی نبض دھیرے دھیرے کمزور ہو رہی تھی۔

''اب کوئی فائدہ نہیں'' امراء نے بوکھلا کر اپنے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ ''ہمارا راجہ اب مر رہا ہے۔''

''اب تو ہمیں اس کی آخری رسومات کی تیاریاں کرنی چاہئیں۔''

''رکو......'' راجہ کے درباری نے کہا ''ایک آخری کوشش۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' ہم نے تو ہر طرح کی کوشش کر لی ہے اور ہمارے ملک کے ہر طبیب نے......''

''مگر کوچورمن طبیب نے ابھی تک کوشش نہیں کی۔''

''ارے وہ، وہ تو ایک جعل ساز ہے۔''

''مہربانی کر کے اس کو بھی کوشش کر لینے دیں۔ یہ صرف ایک کوشش ہے۔ ہم اس میں کچھ کھوئیں گے تو نہیں ہم اپنے پیارے راجہ کی زندگی کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔''

''سمجھے آپ''؟

''وہ اب کسی بھی مدد کے قابل نہیں رہے'' دوسروں نے کہا

''کوچورمن کو بلاؤ'' دیوان نے حکم دیا۔

ہرکاروں کو پالکی سمیت فوراً محل سے طبیب کے گھر روانہ کیا گیا۔ کوچورمن بھی فوراً چل دیا۔

''چاول کا سوپ تیار کیجیے'' آتے ہی راجہ کی حالت کا جائزہ لینے کے بعد اس نے حکم دیا۔

''وہ کس لیے؟'' وہاں جمع اور سارے طبیب تعجب سے بولے ''ایک مرتے ہوئے آدمی کے لیے

سوپ؟'' یہ آدمی تو پاگل ہے''!

راجہ نے آخری بار کھانا کب کھایا تھا؟'' کوچورمن نے پوچھا۔

''اوہ...... لگ بھگ تین چار دن پہلے۔''

''ایسا ہے؟ یہی وجہ ہے...... جب یہ اٹھیں گے تو کمزوری اور بھوک محسوس کریں گے۔''

جو طبیب تماشا دیکھ رہے تھے وہ آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے۔ کیا یہ کوچورمن راجہ کے ساتھ جنت کے سفر پر اس سوپ کو ڈبّے میں بند کروا کے بھیجے گا؟ سب کو یقین تھا کہ راجہ مر چکا ہے۔ محل میں تو راجہ کی آخری رسومات کی تیاریاں بھی شروع ہو چکی تھیں۔

کوچورمن نے چلّو میں پانی لیا اور کہنا شروع کیا ''یہ گٹھری او بے وقوف، یہ گٹھری او بے وقوف، یہ گٹھری او بے وقوف، یہ گٹھری......'' اور اس منتر کا جاپ ایک سو آٹھ بار کیا۔

ایک سو آٹھویں بار کہنے پر کوچورمن نے چلّو میں لیا پانی راجہ کے چہرے پر چھڑک دیا۔

اور پھر وہ کرشمہ ہوا۔

راجہ کی آنکھیں کھل گئیں۔

کوچومن نے کچھ اور پانی چھڑکا۔ اب راجہ کے پیر ہلنے لگے۔ پھر تیسری بار چھڑکا اور...... ناقابلِ یقین عجوبہ ہوا۔ راجہ اُٹھ بیٹھا۔ ایک نوزائیدہ بچّے کی طرح آنکھیں جھپکنے لگا۔

''میں بھوکا ہوں! پیاسا ہوں!'' حکمراں غرّایا۔

سوپ...... سوپ...... سوپ کہاں ہے؟ ہاں یہ ہے لیجیے۔''

کوچورمن نے سوپ کا پیالہ مریض کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

''آرام سے جناب...... دھیرے دھیرے پیجیے۔ ہاں ایسے۔'' زمورین دھیرے دھیرے اس زندگی دینے والے رقیق کو دیر تک پیتا رہا۔ جب اس نے پیالے کو ٹیڑھا کر کے آخری قطرہ بھی پی لیا تو سکون کا سانس لے کر بیٹھ گیا۔ تب اس کی آنکھیں اس اجنبی پر جا ٹکیں۔

''کون ہو تم......؟''
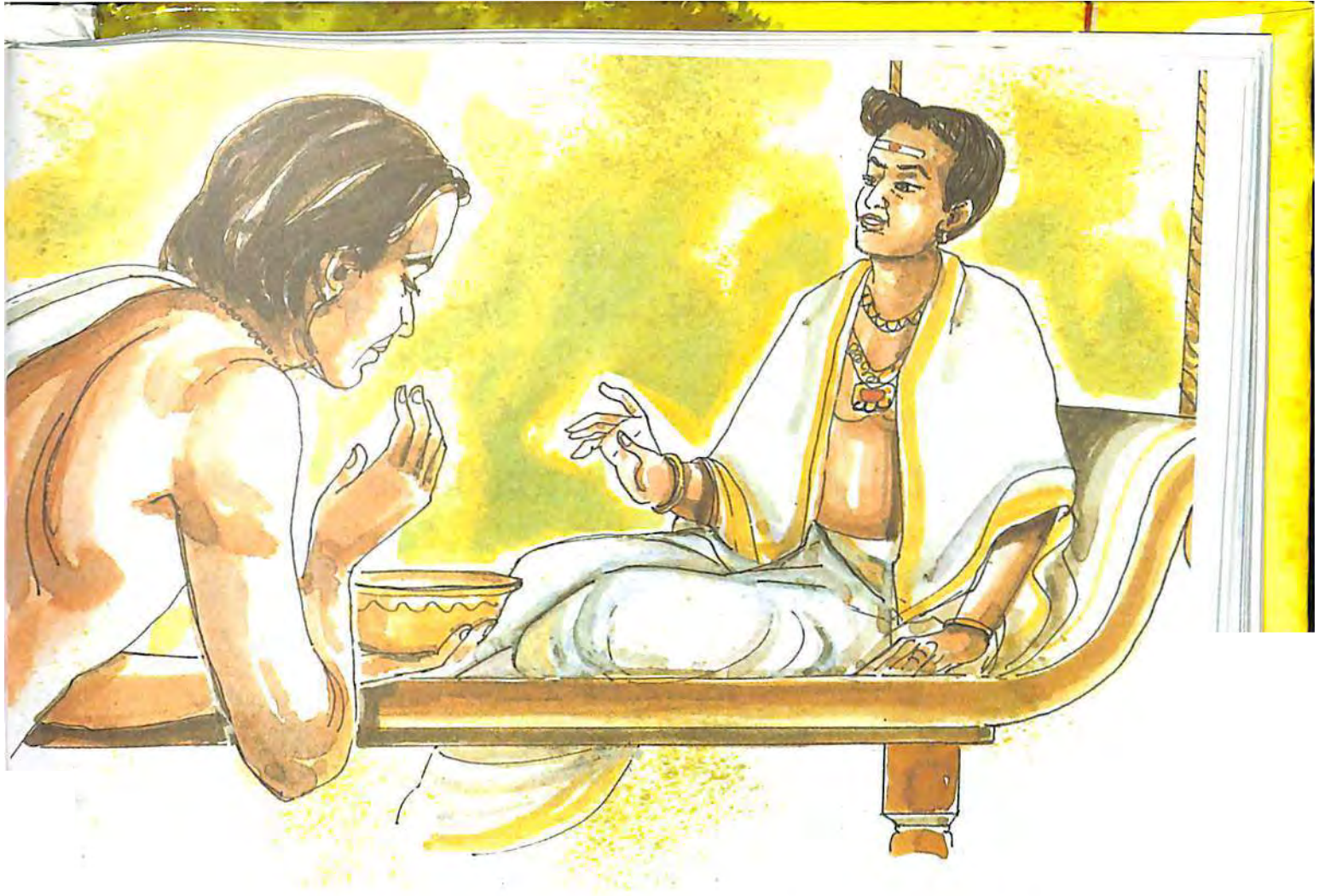
''میں کوچورمن ہوں جناب۔''

''اورتم یہاں کیا کررہے ہو......؟'' تم تو اس طرح چالاک لگ رہے ہو جیسے میرے کوئی درباری ہو؟''

''مجھے یہاں بلایا گیا تھا جناب'' کوچورمن نے نرمی سے جواب دیا۔''مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے کسی کام آسکا جناب۔''

''یہ مشہور طبیب کوچورمن ہیں مہاراج'' دیوان نے مداخلت کی۔''اسی نے آپ کی جان بچائی ہے۔''

''واقعی؟'' اور زمورین کافی دیر تک اپنے نجات دہندہ کو دیکھتا رہا۔

''اورتم لوگوں نے اسے بلانے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟ کیاتم لوگ مجھ سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔''

''بھگوان ہمیں معاف کرے'' دیوان نے احتجاج کیا۔ ہم تو۔ ہم...... بھگوان آپ کو لمبی اور صحت مند زندگی دے حکومت سنبھالنے کے لیے۔''

''نکمے'' زمورین چلایا پھر سنبھل کر کوچورمن کی طرف مڑا، اس کی آنکھوں میں نرمی آ گئی تھی۔ ''میں تمھارا شکرگزار ہوں بیٹے، میں کس طرح تمھارا یہ قرض اتاروں؟''

''آپ نے تو پہلے ہی میرا قرض اتار دیا ہے جناب۔''

''وہ کیسے؟''

''ایک معالج کے لیے اس کے مریض کا شفا پا جانا ہی اُس کا سب سے بڑا انعام ہے جناب۔''

''بیٹے تم ایک اچھے طبیب ہی نہیں ہو بلکہ ایک اچھے انسان بھی ہو۔''

''اب مجھے جانے کی اجازت دیجیے جناب'' کوچورمن کھڑا ہو گیا اور سر جھکا کر تعظیم دی۔

''ارے نہیں...... اتنی جلدی نہیں...... دیوان'' راجہ اپنے وزیر اعظم کی طرف مُڑا ''کوچورمن محل میں ہی رُکے گا جب تک اس کا دل چاہے۔ اس کے رہنے کا انتظام کیا جائے۔ اور اس کو نوازنے کے لیے بڑے دربار کا اہتمام ہو۔ ہم اس نوجوان کو انعام واکرام سے نوازیں گے۔''

راجہ بہت خوش تھا۔ اس نے اپنے نجات دہندہ کو خطابوں اور انعامات سے لاد دیا جس میں دس ہزار سونے کے سکّے اور بیش قیمت پوشاک تھی پھر اس نے حکم دیا کہ اس طبیب کو پالکی میں گھر بھیجا جائے شاہی باجہ اور محافظ اس کے ساتھ بھیجے جائیں گے۔

تمام زہر کا علاج کرنے والے طبیب شرمندگی اور حسد کے ملے جلے انداز سے یہ سب کچھ ہوتا دیکھ رہے تھے۔ اس بھیڑ میں کوچورمن کا استاد بھی تھا جس کا پہلے ذکر آیا تھا۔

اور ظاہر ہے استاد کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ کوچورمن نے یہ جو کچھ حاصل کیا ہے وہ اس کی دی ہوئی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اسے تو بس اتنا معلوم تھا کہ یہ نوجوان اس کے گھر سے بیوقوف لفظ سن کر بے عزتی محسوس کر کے چلا گیا تھا۔

اس بڑے مجمعے کی وجہ سے کوچورمن نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

اور اس طرح کوچورمن کا سج دھج کا قافلہ اس کے گھر کی طرف چل دیا۔ زمورین راجہ کے محافظ

سپاہیوں کے علاوہ شاہی باجہ، سیکڑوں لوگ جو وہاں جمع تھے اس قافلے میں شامل ہو گئے۔ اس بھیڑ میں زہر کا علاج کرنے والے طبیب بھی تھے۔

پھر جب وہ بڑا قافلہ راجدھانی سے باہر نکلا اور کوچورمن کے گھر کی طرف چلا اس وقت اتفاق سے کوچورمن کی نظر پیچھے کی طرف گئی۔ اچانک اسے بھیڑ میں ایک چہرہ نظر آیا جس کی وجہ سے وہ یہاں تھا۔ وہ اس قابلِ قدر شخصیت کو جانتا تھا۔

استاد!

''رکو!'' کوچورمن کہاروں کی طرف دیکھ کر چیخا۔

پالکی رکھ دی گئی۔ اگلے ہی پل وہ پالکی سے باہر تھا اور اپنے استاد کی طرف پوری تیزی سے بھاگ رہا تھا۔

''راستہ دو...... راستہ دو...... یہ تو کوچورمن وید ہیں تعجب ہے کیا ہوا ہے۔''

اگلے منٹ وہ اس عظیم انسان کے روبرو تھا۔

کوچورمن کی آنکھوں میں آنسو تھے، تشکّر اور خوشی کے آنسو۔ کتنا وقت گزر گیا تھا۔

''استاد......!''

کوچورمن کے ہاتھ میں کچھ تحائف تھے جو اسے زمورین راجہ نے عطا کیے تھے۔

ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس نوجوان نے جھک کر اپنے ہاتھوں میں تھامے تمام تحائف استاد کے قدموں میں ڈال دیے۔

''استاد یہ آپ ہیں...... آپ نے...... کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ میں ہوں آپ کا شاگرد کوچورمن۔''

''ہاں ہاں نوجوان میں کیوں نہ پہچانتا تم کو'' اس متعجب طبیب نے کہا۔ ''میں تمھیں کیسے بھول سکتا ہوں......؟ مگر یہ سب...... یہ سب کیا ہے اور کس سلسلے میں ہے۔'' استاد نے تحائف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ جو سب کچھ آج مجھ کو ملا ہے یہ سب آپ کی مہربانی اور تعلیم کا نتیجہ ہے'' کوچورمن نے جواب

دیا۔ ''میں تو آپ کی دعاؤں کے بدلے یہ سب دینے کا ویسے ہی قرض دار تھا۔

''میں تو ویسے بھی آپ تک آپ کو نذرانہ پیش نہیں کر پایا تھا۔ یہ میری طرف سے آپ کو گرو دکشنا ہے۔''

''اوہ؟'' استاد کی الجھن اور بڑھ گئی۔ ''میں نے تو تم کو کچھ بھی نہیں پڑھایا...... میں تو صرف...... میں تو تم سے معذرت کرتا ہوں کہ اس دن میں تم سے سخت کلامی سے بولا تھا......''

''سختی سے؟ نہیں تو'' اور کوچورمن اپنے استاد کے قدموں پر جھک کر رونے لگا۔

''تم کو یہ فن تو مجھ کو بھی سکھانا ہوگا کہ مردہ کو زندہ کیسے کرتے ہیں۔''

''میں......؟ آپ کو پڑھاؤں گا استاد؟'' شاگرد نے پرنم آنکھوں سے اس عمر رسیدہ طبیب کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ ''میرے پاس تو آپ کے دیے ہوئے منتر کے علاوہ اور کوئی بھی علم نہیں ہے جناب اور اسی کی وجہ سے ہر چیز میں کامیاب ہوتا ہوں۔''

''منتر......؟ کیسا منتر......؟

''کیوں استاد......؟'' کوچورمن کچھ ہچکچاتا ہوا اور غیر یقینی کے انداز میں دھیرے دھیرے کھڑا ہو گیا۔ ''کیا آپ بھول گئے کہ آپ نے مجھے منتر دیا تھا؟''

''ایسا لگتا ہے کہ میں نے دیا تھا...... مجھے بتاؤ ذرا۔'' کوچورمن نے اپنے ہونٹ اپنے استاد کے کانوں سے لگا دیے اور دھیرے سے بدبدایا ''یہ بنڈل او بے وقوف......''۔

''کیا......؟'' استاد حیرانی سے چیخ پڑا۔

استاد جیسے گونگے ہو گئے۔

جب کوچورمن جذبات میں بھرا تیزی سے اپنی پالکی کی طرف آیا تو زہر کا علاج کرنے والا وہ طبیب اس کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔

اُسے لگا یہ تو شاید استاد کا نتیجہ ہے۔ اگر کسی کو اپنے استاد پر پورا یقین اور اپنے کام میں پوری لگن ہے تو وہ کچھ بھی کام پورا کر سکتا ہے۔

کسی طرح کی تعلیم بغیر پورے یقین اور استاد کے بالکل ایسی ہے جیسے کوئی تلوار بغیر دھار کی۔
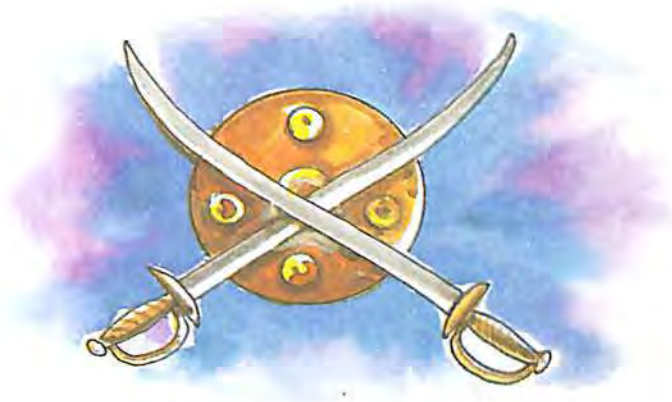
استاد کے نقشِ قدم پر

بہت زمانہ گزرا کوزہی کوڈ شہر میں ایک راجہ تھا۔ وہ مارشل آرٹ وفنونِ جنگ میں ماہر تھا۔ ایک دن ایک برہمن شہر میں آیا، وہ راجہ سے ملنے کے لیے ہی آیا تھا۔

''استاد کیا تم مجھے اپنا فن سکھا دو گے؟''

''سیکھنا تو تم پر منحصر ہے'' راجہ نے جواب دیا۔

''کل دن اچھا ہے کل سے شروع کر دیں؟''

ایک سال بعد

''ہاں بھئی یہ بتاؤ کہ تم نے کتنا سیکھ لیا'' ایک دن استاد نے اپنے شاگرد سے پوچھا ''تم کتنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکتے ہو۔''

''دس ہزار کا بغیر کسی پریشانی کے۔'' برہمن نے جواب دیا۔

''یہ کافی نہیں ہے'' استاد نے اپنا سر ہلایا۔ ''ابھی تم کچے ہو۔''

برہمن کی تعلیم جاری رہی۔

ایک سال اور گزر گیا تو استاد نے اپنا سوال دہرایا۔

''میں پانچ ہزار کو روک سکتا ہوں'' شاگرد نے جواب دیا۔

''ناکافی ہے۔''

اور برہمن کی تعلیم جاری رہی۔ ہر سال استاد اپنے شاگرد سے یہی سوال کرتا تھا ''دو ہزار...... ایک ہزار، پانچ سو۔''

آخر بارہویں سال کے آخر میں شاگرد نے کہا ''میں ایک آدمی کا مقابلہ کرسکتا ہوں۔''

''میں اب بھی مطمئن نہیں ہوں'' استاد کی رائے تھی۔

کوئی شک نہیں کہ شاگرد اپنے استاد سے اس بات چیت کا مطلب سمجھ گیا۔ نامکمل تعلیم خطرناک ہوتی ہے۔ کم علمی غرور پیدا کرتی ہے۔ علمیت میں اضافہ انکسار پیدا کرتا ہے۔ جیسے جیسے شاگرد کا علم بڑھتا تھا اسے اپنی کمزوریوں کا احساس ہوتا گیا۔

چند سال بعد برہمن واقعی مارشل آرٹ کا ماہر ہوگیا۔ اس نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ اس نے کافی سیکھ لیا ہے۔ لیکن استاد اب بھی اس سے مطمئن نہ تھا۔

''تم پوری طرح کامل نہیں ہو جسم کو اس طرح محسوس ہونا چاہیے جس طرح آنکھ دیکھتی ہے۔''

ایک صبح مشق کے بعد برہمن نہانے کے لیے گیا۔ اس نے نہانے کی تیاری میں اپنے جسم پر تیل کی مالش کی۔

استاد کے مکان کے چاروں طرف ایک دیوار تھی ایک دروازہ تھا جو اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔

راجہ نے دو آدمی نیزے لیے ہوئے دروازے پر تعینات کیے۔ ایک دروازے کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف۔ اس کے بعد وہ چپ تھا کہ جو کچھ ہوگا اس کا مشاہدہ کرسکے۔ اس سب کاروائی سے بے خبر برہمن دروازے میں داخل ہوا۔

جیسے ہی شاگرد داخل ہوا ان دونوں لوگوں نے اس پر منتروں سے وار کیا۔ جیسے ہی منتروں نے جسم کو چھوا وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ایک لمحے میں نیزوں کی پہنچ سے دور ہوگیا اور حملے کے لیے تیار ہوگیا۔

''بس وہیں رک جاؤ'' راجہ ظاہر ہو گیا۔

''اس حملے کا مطلب ہے استاد۔''

''بالکل وہی بات ہوئی جو میں چاہتا تھا۔ استاد نے جواب دیا۔ اس نے نیزوں کی نوک کو دیکھا اور تب اپنے شاگرد کے جسم کا مشاہدہ کیا۔

''جسم آنکھ کی طرح ہونا چاہیے۔''

نیزوں کی نوک پر تیل کا اثر تھا۔ لیکن جہاں جسم پر لگے تھے کھال پر کوئی کھرونچ بھی نہ تھی۔

استاد مطمئن ہو گیا جس طرح آنکھ کی پتلی اس نازک حصّے کو بچانے کے لیے فوری عمل کرتی ہے اسی طرح شاگرد کے جسم نے حملے پر فوری عمل کیا تھا۔

''تم اب مکمل ہو۔ تم نے کافی سیکھ لیا۔''

برہمن کچھ وقت اور اپنے استاد کے ساتھ ٹھہرا۔ اور جو کچھ باقی رہ گیا اسے بھی سیکھا۔ آخر اپنی حیثیت کے مطابق گرودکشنا پیش کر کے اپنے استاد سے وداع لی۔

☆ ☆ ☆

مارشل آرٹ کے ماہر نے دور دور تک سفر کیا۔

چلتا چلاتا وہ تراونکور کی راجدھانی پدمانا بھن نگر پہنچا۔ اس وقت تراونکور کا راجہ مشہور مرتھاندا ورما تھا۔

برہمن بہت ہی مناسب وقت پر تراونکور پہنچا تھا اور یوں ہوا کہ مہاراجہ مرتھاندا ورما کو اپنے بھتیجے راما ورما کے لیے ایک استاد کی ضرورت تھی اس جگہ کو حاصل کرنے کے لیے بہت سے امیدوار آئے، ان کو جانچا گیا لیکن رکھا نہ گیا۔

اس مارشل آرٹ کے ماہر نے بھی یہ خبر سنی اور مہاراجہ سے ملنا چاہا۔ راجہ کی اجازت جلدی ہی مل گئی کہ امیدوار اگلے دن ٹھیک بارہ بجے دربار میں حاضر ہو۔

برہمن اگلے دن دوپہر سے کچھ پہلے محل میں پہنچ گیا۔ مہاراجہ نے محل کے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ اس نے حکم دیا کہ لوہے کی لمبی نوک دار سلاخیں محل کی دیواروں کے اندر زمین میں گاڑ دی جائیں۔ سلاخیں ایک دوسرے سے اتنی قریب گاڑی جائیں کہ پیر رکھنے کی جگہ نہ بچے۔

برہمن محل کے چاروں طرف گھوما تمام دروازے بند تھے۔

ہمم ...... اسے اندازہ ہوا کہ یہ جانچ ہو رہی ہے۔ ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں۔ اس نے اپنی کمر کس کر باندھی۔ تلوار اور ڈھال کو اپنے ہاتھوں میں تیار رکھا تب وہ دیوار پر چڑھ گیا اور دیوار کے اوپر پہنچ گیا۔ ظاہر ہے اسے لوہے کی نوک دار سلاخوں کے بارے میں معلوم نہ تھا جو دیوار کے برابر میں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

اسے سلاخیں نظر آنے میں دیر ہوگئی۔ یقینی موت اس کی آنکھوں میں گھوم گئی۔ ایک لمحے میں اس کا
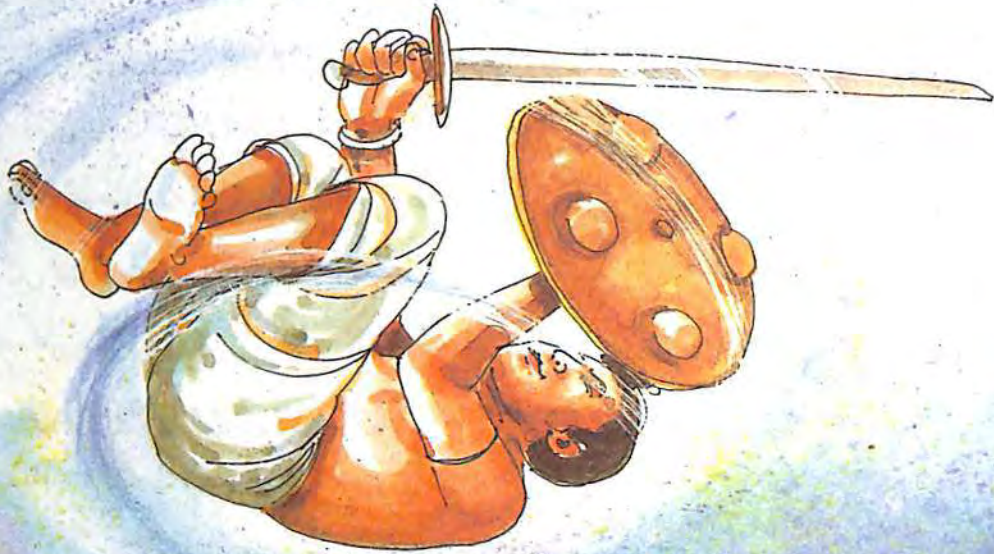
بایاں ہاتھ جس میں ڈھال تھی، نیچے گیا اور لوہے کی سلاخوں پر ڈھال لگی لوہے سے لوہا ٹکرایا اور چنگاریاں اڑیں۔

وہ جنگجو بحفاظت نیچے اتر آیا۔ لوہے کی سلاخوں اور اس کے پیروں کے بیچ ڈھال تھی۔ لیکن لوہے کے اس خطرناک دائرے سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

برہمن ایک لمحہ وہاں رکا، تب اس نے اپنے استاد کو یاد کیا اور نیچے کی طرف کودا۔ اس کا لچکدار وجود دیوار کو بحفاظت پار کر گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ زمین پر دروازے کے باہر خود کھڑا ہوا تھا۔

یہ سب کچھ زیادہ ہی ہوگیا۔ برہمن نے فیصلہ کیا اگر اس کی ضرورت نہیں ہے تو اسے چلا جانا چاہیے۔

''اگر مہاراج معلوم کریں تو انھیں بتا دینا چاہیے کہ میں یہاں ہوں'' دروازے کے پہرے داروں سے برہمن نے کہا۔ ''لیکن چوں کہ دروازے بند ہیں اس لیے میرے لیے جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔'' مرتھاندا ورما یہ سب دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس نے دیکھا کہ جنگجو جانے کی تیاری کر رہا ہے مہاراجہ نے اسے بلوالیا۔

''میں تمھارے فن سے بہت خوش ہوا'' مہاراجہ نے اقرار کیا۔ ''تم ہمارے بھتیجے کے بہترین استاد ہوگے۔''

اور اس طرح برہمن راج کمار راما ورما کو مارشل آرٹ سکھانے پر ملازم ہوگیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ٹیچر کو اعزاز، تحفے، نقد روپیہ اور زمین ملتی گئی۔ اسے گروکل کا خطاب بھی دیا گیا چوں کہ کلنتھاٹل خاندان تھا اس لیے کلنتھاٹل گروکل کی شہرت دور دور تک پھیلتی گئی۔

جب تراونکور راج کی راجدھانی بدل کر تروانت پورم ہوگئی، گروکُل بھی وہیں کو تبدیل ہوا۔

مہاراجہ نے ٹیچر کے لیے راجدھانی میں ایک مکان تعمیر کروایا اور گروکُل اپنے تمام رشتے داروں کے ساتھ اس شہر میں مستقل طریقے سے رہنے لگا۔ کلنتھائل گروکُل کی اولاد بھی اس راج میں عزت سے رہتی رہی۔ ان کی طاقت اور عزت اندازے سے زیادہ تھی۔

☆ ☆ ☆

مشہور مرتھانداورما کے جانشیں کلنتھائل گروکل کے شاگرد مہاراجہ راماورما کا آخری زمانہ تھا۔ کارتھیکا تھیرونل راماورما اپنی عمر کی کم ہوتی روشنی کی حالت میں تھا۔

یہ تروانت پورم میں پہلے کا زمانہ تھا۔

راجدھانی میں میلے کے موقعے پر مارشل آرٹ کے مقابلے ضرور ہوتے تھے۔

جنگ کے ماہرین اس زمانے میں دور و نزدیک سے محل میں جمع ہوجاتے تھے تاکہ ان مقابلوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرسکیں۔ ہر ماہر مارشل آرٹسٹ اپنی صلاحیت کے مطابق تروانت پورم میں عزت اور دولت ضرور پاتا تھا۔

ہر بار کی طرح درجنوں ماہرینِ جنگ اس سال بھی راجدھانی میں جمع ہوئے تھے اور مہاراجہ کی نظرِ عنایت کے خواہاں تھے۔ ان میں ایک برہمن منڈور نام کا بھی تھا۔

ایک دن منڈور دریا کے کنارے تیل مل کر نہانے کے لیے تیار تھا۔ وہ صرف ایک دھوتی پہنے ہوئے تھا۔ جب وہ نہانے کی تیاری کر رہا تھا ایک بوڑھا نایر ادھر سے گزرا۔

یہ بزرگ اپنے سر پر گھی کی ہانڈی لے جا رہا تھا۔ اس کی ایک بغل میں لکڑی کا ایک ڈنڈا دبا ہوا تھا۔ یہ ڈنڈا اچھے قسم کا تھا۔

''او۔ تم'' منڈور نے پکارا۔ ''کیا تم مجھے وہ ڈنڈا دے سکتے ہو۔''

''تمھیں یہ کس لیے چاہیے'' نایر نے جواب دیا۔ ''تم ابھی نوجوان ہو تمھیں چلنے کے لیے بید کے

سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ جناب اس میں مجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ایں''۔

''اوہ، تمھیں نہیں مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اپنے لیے کوئی دوسرا ڈنڈا لے لینا۔'' منڈور منمنایا۔

''جناب یہ تو آپ بھی کر سکتے ہیں۔''

''تمھاری ہمت کیسے ہوئی منع کرنے کی۔تم نے مجھے اب تک پہچانا نہیں ہے، ٹھیک ہے نا۔''

''آپ بتا دیجیے کہ آپ کون ہیں۔''

''میں منڈور ہوں جو لوگ مجھے جانتے ہیں مجھ سے عزت سے پیش آتے ہیں۔''

''واقعی؟ مجھے آپ کے درشن کر کے خوشی ہوئی لیکن یہ ڈنڈا تو میرے پاس ہی رہے گا۔''

''میں اگر چاہوں تو اسے چھین سکتا ہوں۔''

''میں بہت خوفزدہ ہوں'' بوڑھے آدمی نے نرمی سے کہا اور اپنے راستے پر چلتا رہا۔ غصّے میں منڈور اس کے پیچھے چلا۔

جب وہ بوڑھے کے قریب پہنچا تو برہمن نے جو ڈنڈا اپنی بغل میں دبا رکھا تھا اپنی پوری قوت سے پکڑ کر کھینچا۔ وہ ڈنڈا بوڑھے کی بغل میں دبا ہوا تھا۔ ایک انچ بھی نہ کھسکا۔

بوڑھا بغیر پریشان ہوئے چلتا رہا۔ اس نے ایک قدم بھی ضائع نہ کیا۔ اس نے اپنے کندھے کے اوپر سے دیکھا۔ منڈور اب بھی اسے پکڑے ہوئے تھا۔ وہ بوڑھے کو ڈنڈا لے جانے دینا نہ چاہتا تھا۔

یکا یک نایر داہنی طرف مڑا۔ اور پورا چکر کاٹ کر پھر میلے کی جگہ کی طرف چلنے لگا۔ اس زبردستی کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں تھا۔ منڈور اس پر بضد تھا۔ اب وہ اسے جانے نہ دے گا۔

''اے، رکو! بڑو......۔''

منڈور کھینچا تانی کر رہا تھا۔

''مجھے جانے دو۔''

وہ گھوما۔ اس نے اپنے کو مروڑا۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ وہ ڈنڈے سے چپک گیا تھا۔

اس طرح وہ دونوں چلتے رہے۔ نایر آگے آگے اور نہ چاہنے کے باوجود برہمن جس کے جسم پر تیل چپڑا ہوا جو صرف دھوتی پہنے تھا، اس کے پیچھے شرمندگی کے ساتھ۔

وہ جلدی ہی میلے کی جگہ پر پہنچ گئے۔ بوڑھے نایر نے گھی کا برتن اپنے سر سے اتارا اور کاونٹر کے پاس لائن میں لگ گیا۔ ناکام منڈور اس کے پیچھے تھا۔ تقریباً ننگا اور نایر کی بغل سے ڈنڈا کھینچتے ہوئے۔

آہستہ آہستہ چلتے بوڑھے کا نمبر آیا۔ اس نے گھی دیا، اس کی رسید لی اور پھر چل دیا۔
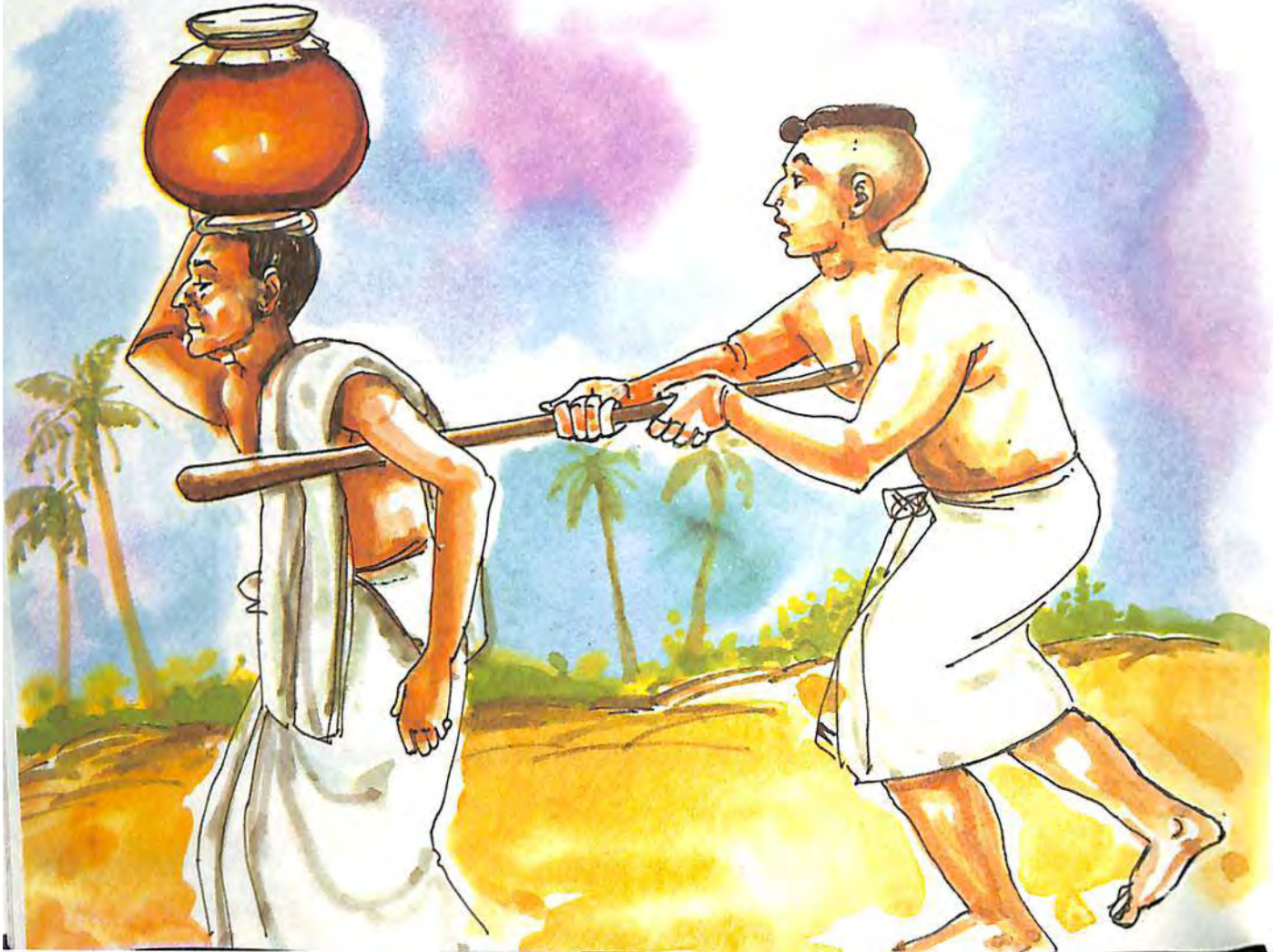
اس عجیب وغریب جوڑے کی خبر مہاراج تک بھی پہنچ گئی، ایک ہرکارہ پہنچا اور اس نے نایر کو راجہ کا بلاوا دیا۔ حکم کے مطابق بوڑھے کے قدم محل کی طرف اٹھنے لگے۔ جلدی ایک دوسرے کو نہ پسند کرنے والے دونوں آدمی مہاراج کے سامنے تھے۔

'اے منڈور'' راماورما نے برہمن کو پہچانتے ہوئے پوچھا۔''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''برہمن کی شرم کا صرف تصور کیا جاسکتا ہے۔''

''منڈوراورکا'' ملیالم میں کسی کی دھوتی اتار لینا۔

ایک شیخی خور جوان اور جنگجو آدمی چھپنے کی کوشش۔ یہاں وہ ایک بوڑھے کے پیچھے مجبور کھڑا تھا آنکھوں میں آنسو بھرے۔

''غریب آدمی کو جانے دو'' مہاراج نے حکم دیا۔

''جو حکم مہاراج۔''

اور بوڑھا آدمی بائیں طرف گھوما اور چلا۔

''یہ بات ہوئی'' نایر مسکرایا۔''وہ آزاد ہے۔''

''اب'' راماورما نے برہمن سے کہا'' جاؤ، اپنا نہانا پورا کرو اور کھانا کھاؤ۔''

منڈور شرم سے گڑ گیا۔

اس ادبی تخلیق کا مصنف راجہ سویم کارتھیکا تھیرونل راماورما بہت سی صلاحیتوں کا آدمی تھا۔ گروکل کا شاگرد۔ وہ ایک مانا ہوا جنگجو فن کار بھی تھا۔

راماورما اس تکنیک سے پوری طرح واقف تھا جو بوڑھے نایر نے برہمن کو ہرانے میں استعمال کی تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ وہ فن تھا جس سے مارشل لوگ بھی بہت کم واقف ہیں۔

''تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو'' راجہ نے بوڑھے آدمی سے پوچھا۔ ''کیا ہم کبھی پہلے بھی ملے ہیں؟ کبھی......؟ ......کہاں......؟''

''میں کایم کولم کا رہنے والا ہوں'' نایر نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ ''میں آپ کے وفادار اور محنتی ملازموں میں سے ایک ہوں اور مہاراج مجھے پہچانتے ہیں اس کی خاص وجہ ہے۔''

''وہ کیا ہے'' راجہ نے بہ اصرار پوچھا۔ حالاں کہ اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ کہاں، کب اور کیسے بوڑھے نایر سے ملا تھا۔

''اگر مہاراج یاد کریں، کایم کولم کے محاصرے کو......محل پر حملے کو...... جب آپ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مہاراج کا گھوڑا زخمی ہو گیا تھا اور پیچھے کی طرف گر گیا تھا۔''

''اور ہم اندر کی طرف گر گئے تھے۔ قلعے کے اندر'' راماورما نے جملہ مکمل کیا۔ ''لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا۔ کیا تم وہاں تھے؟''

''میں ہی تھا جس نے مہلک حملے کو روکا تھا جناب'' بوڑھے آدمی نے کہا۔ ''...... میں چھپا ہوا تھا۔ میں جب گھوڑا اسے کودا تھا تو اس پر حملہ کیا تھا۔ آپ نے اسی وقت مجھے دیکھا تھا۔

''لیکن۔ ہاں یقیناً وہ تم ہی تھے۔ میں یقین کرنا چاہتا تھا۔ تم کایم کولم فوج میں تھے۔''

''جی ہاں مہاراج۔''

''یہ کھی کا کیا معاملہ ہے۔ تم تو سپاہی تھے۔''

''اس وقت میں اس طرح روزی کماتا تھا۔ اب یہ میرا پیشہ ہے'' بوڑھے نایر نے بتایا۔

''خوب کہا'' راماورما مسکرایا۔ اس کے جواب سے خوش ہوا۔

''ایسا ہی ہونا چاہیے۔ ایک آدمی کا دھرم یہی کہ وہ اپنے ......''

وہ پرانے وقتوں کی بات کر رہے تھے اور اپنی مشترک دل چسپی کی، مارشل آرٹ کی۔

مہاراجہ نے پوچھا ''تم نے یہ فن کہاں حاصل کیا۔''

''گروکل کے قدموں میں، مجھے یہ گُر حاصل ہوا ہے۔''

''ایسا اتفاق ہے مجھے بھی انھوں نے ہی سکھایا تھا۔''

''ہم ہیں......'' نایر کہتے ہوئے ہچکچایا اور جملے کو پورا کرنا نہ چاہا۔

''بھائی بھائی'' راماورما نے اس کے لیے کہا۔ ''بھائی، آ۔ گلے مل لو۔''

مہاراجہ اور نایر پُرجوش طریقے سے گلے ملے۔

انھوں نے یاد کیا پرانے زمانے کو۔ عظیم ساتھیوں کو جن کے وہ دونوں وارث تھے۔ اپنے استاد کو، اس کے استاد کو۔

''اب مجھے جانا چاہیے مہاراج'' نایر جانے کے لیے کھڑا ہوا۔ ایک لمحے بعد اس نے کہا ''مجھے اپنی روزی کے لیے کام کرنا ہے۔''

''ابھی نہیں'' راماورما نے کہا۔ ''تم یہاں شام کو ضرور آؤ گے...... کے کرتبوں میں شرکت کے لیے۔''

''جو مہاراج کا حکم۔''

اس دیر شام کو تمام مارشل جنگجو جمع ہوئے۔ ماسٹرس کے اس مجمعے میں برہمن منڈور اور بوڑھا نایر کایم کولم بھی تھے۔

''کیا سب لوگ آ گئے؟'' مہاراجہ راماورما نے ایک لوہے کے لٹھے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے دیکھو، کیا کوئی اسے اٹھانے کی کوشش کرسکتا ہے۔''

ایک ایک کر کے وہ مارشل جنگجو آگے آئے اس لوہے کو اٹھانے کے لیے لیکن بہت سے اسے ہلانے میں بھی کامیاب نہ ہوئے۔

اب منڈور کا نمبر تھا۔ اس نے سانس روکا اور اس لوہے کو گھٹنے تک اٹھالیا، نایر اس کے بعد آیا۔ اس
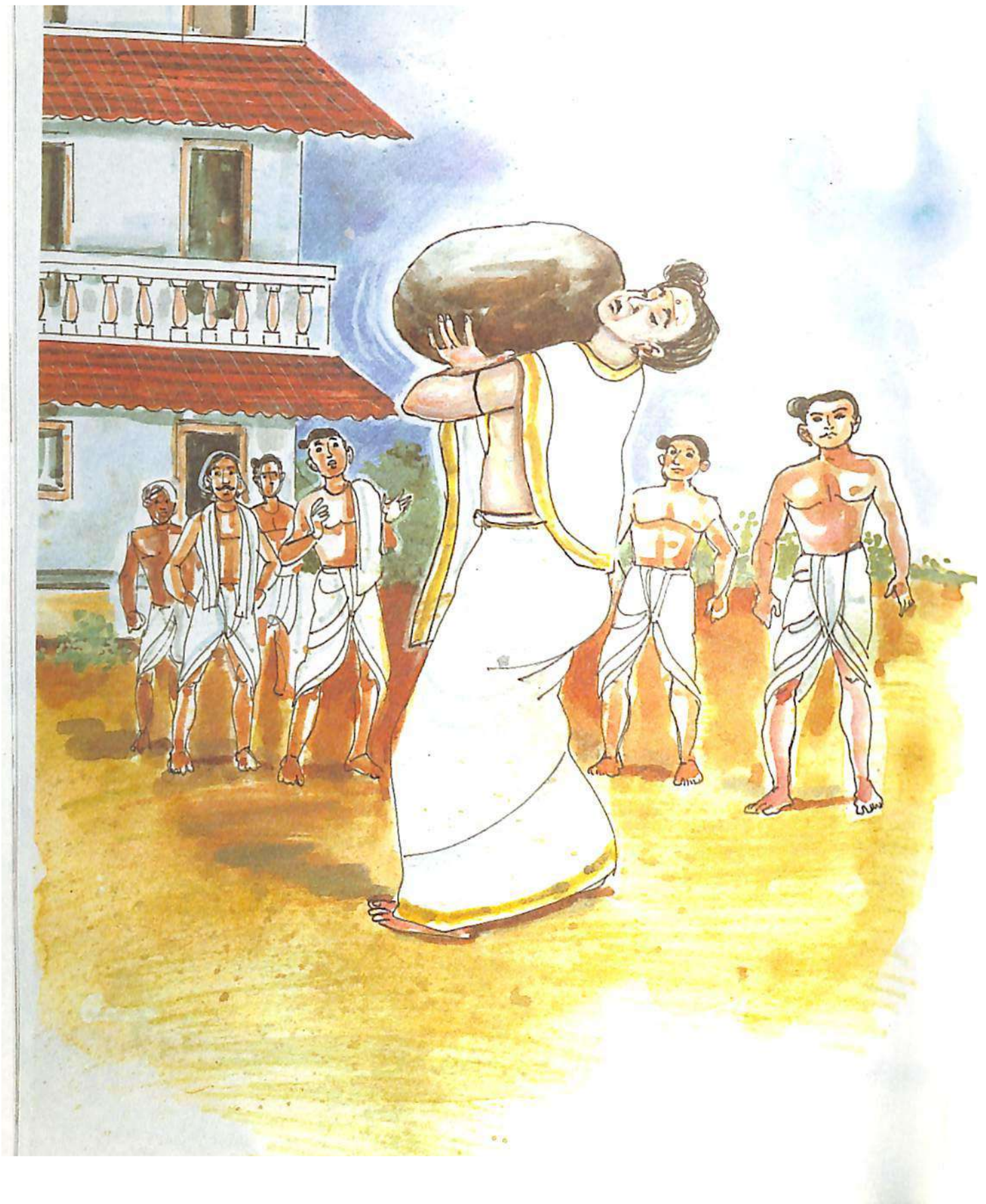
نے لوہے کو اپنے سینے تک اٹھالیا۔

''اب آپ کا نمبر ہے مہاراج''، کسی نے تجویز کیا۔

''ہم اب بوڑھے ہو گئے لیکن کوشش کرتے ہیں۔''

راما ورما نے گہرا سانس لیا۔ اس لوہے کے ٹکڑے کو اٹھایا۔ یہاں تک کہ اس نے اسے گردن تک اٹھالیا۔

''جوانی کے زمانے میں ایسے لوہے کے ٹکڑوں کو روزانہ ہزاروں بار سر پر سے اٹھا کر پیچھے پھینک دیتے تھے'' بوڑھے مہاراج نے معذرت کے طور پر کہا۔ اس نے نایر پر ایک معنی خیز نظر ڈالی۔

''جی ہاں، گروکل کی عنایت سے'' بوڑھے آدمی نے تائید کی۔

لیکن اب اس عمر میں یہ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔''

ماہروں کے اس مجمعے نے شرمندگی اور بے چینی سے دیکھا۔ شرمندگی سے اس لیے کہ اس بڑھاپے میں مہاراجہ کی طاقت اور بے چینی سے اس لیے کہ وہ جسمانی طاقت اور فن کے کھوکھلے دعویدار ثابت ہوئے۔

اس کے بعد مہاراجہ راما ورما نے بوڑھے نایر کو بہت سے مال اور قیمتی تحفوں سے لاد کر گھر بھیجا۔ اس نے اپنے پیارے ساتھی شاگرد کو زندگی بھر کی پنشن بھی عطا کر دی۔
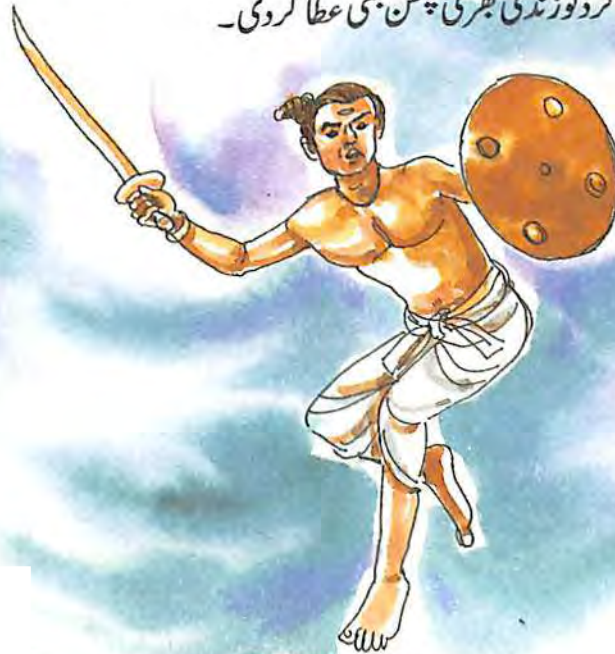
ایک نجومی کی قسمت

وکرمادتیہ کے دربار کے نورتن میں ایک برہمن واراروچی تھا۔ نجومی ہونے کے ساتھ وہ بڑی خوبیوں کا مالک بھی تھا۔ وہ ایک اعلا درجے کا عالم تھا۔ شاستروں و پرانوں کے علم میں کوئی اس کا مقابل نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ راجہ ہر معاملے میں اس سے مشورہ لیتا تھا۔

ایک دن دربار میں وکرمادتیہ نے واراروچی سے ایک سوال کیا ''رامائن میں کون سا اشلوک سب سے اہم ہے اور اس اشلوک میں سب سے ضروری چیز کون سی ہے۔''

واراروچی چپ رہ گیا۔ اس نے اپنے حافظے کو کریدا۔ تجزیہ کرنے کی کوشش کی۔ یادداشت کو پیچھے ٹٹولا لیکن بے کار۔ اس نے رامائن لاتعداد بار پڑھی تھی۔ واقعی اس کا بنیادی اشلوک کون سا تھا۔ وہ اندازہ نہ کرسکا۔ اس کا مزاج ایسا نہ تھا کہ وہ بغیر یہ سمجھے کہ کیا کہہ رہا ہے کچھ کہہ دیتا۔

واراروچی کی خاموشی سے راجہ نے جواب سمجھ لیا۔ ''واراروچی! تم نے مجھے بہت ناامید کیا ہے۔ اس دربار سے فوراً چلے جاؤ اور ہمارے سوال کا جواب معلوم کرو، ہم تمھیں اس کام کے لیے اکتالیس دن دیتے ہیں۔ اگر اس عرصے میں بھی تم کچھ نہ سمجھ سکے تو اس دربار میں آنے کی تکلیف مت کرنا۔'' راجہ کے حکم کے مطابق اور اپنی نااہلی کی وجہ سے برہمن اس وقت وہاں سے چلا گیا۔ بہت دن تک

ان تمام عالموں سے ملا جنھیں چاہے وہ پہلے جانتا تھا یا وہ اس کے لیے اجنبی تھے، کسی کے پاس اس کا جواب نہ تھا۔

چالیس دن گزر گئے اور وہ اپنے مقصود کے قریب نہ پہنچا آخر کار بھوک پیاس اور ناکامی سے ٹوٹا ہوا وہ ایک جنگل میں کھسک گیا۔ جب رات ہوئی تو وہ ایک بڑ کے بہت پرانے درخت کے پاس پہنچا۔ وہ آگے نہ بڑھ سکا اور بڑ کے پھیلے ہوئے درخت کے نیچے بے ہوش ہوگیا۔ آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس نے دعا کی۔

''اے غیر مرئی وجود! میری حفاظت کرنا۔ اے جنگل کی آتماؤ!''

آدھی رات کے قریب کچھ جنگل کی آتمائیں اس بڑ کے درخت پر آئیں۔

''اے بڑ کے درخت پر رہنے والی آتماؤ کیا تم نہیں آرہی ہو۔'' انھوں نے بڑے کے درخت پر رہنے والے بھوتوں سے پوچھا۔

''کیوں، کیا بات ہے؟''

تھوڑی ہی دور پر ایک گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے۔ ہم وہاں جارہے ہیں۔ اگر تم خون کی دعوت چاہو تو ہمارے ساتھ آؤ۔''

''نہیں بھئی'' بڑ کے درخت کے بھوتوں نے جواب دیا ''کس قدر ناامیدی کی بات ہے ہم تو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہماری بچاری بڑ کے پاس ایک برہمن سویا ہوا ہے جس وقت وہ سویا اس نے ہم سے پناہ مانگی ہم اس کی حفاظت کے لیے مجبور ہیں۔''

''تو ہم چلیں''۔

''واپسی میں اسی راستے سے آنا اور ہمیں بچے کی پیدائش کے بارے میں بتانا۔ آؤ گے نا۔''

''ٹھیک'' آنے والے جنگل کی آتماؤں نے کہا۔

جب رات کی آخری گھڑی آئی تو وارار وچی جاگ گیا۔ لیکن اتنا کمزور اور تھکا ہوا تھا کہ وہ ہل بھی نہ

سکا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش چھوڑ دی۔

برہمن ساکت پڑا ہوا تھا لیکن اس کا دماغ چاق وچوبند تھا۔ وہ اپنی قسمت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس وقت وہ گھومنے والی آتمائیں واپس آ ئیں۔

''اے کیا خبر ہے'' بڑ کے پیڑ والی آتماؤں نے پوچھا۔ ''کیا تمھارا وقت اچھا گزرا۔ وہ لڑکی ہوئی یا لڑکا۔''

''لڑکی'' آنے والیوں نے جواب دیا۔ ماں ایک پیرائی ہے۔

''ایسا ہے؟ اس لڑکی کی شادی کس سے ہوگی۔''

''وہ اس وارارو چی کی بیوی ہوگی جو گام ڈھی کی اہمیت نہیں جانتا لیکن دیکھو...... اب تو لگ بھگ دن نکل آیا ہے اب تو ہم جا رہے ہیں بعد میں ملیں گے۔''

اور وہ آتمائیں اڑ گئیں۔

وارارو چی نے یہ بات سن لی۔ اس کی تیز ذہانت نے آتما کے لفظوں کا مطلب سمجھ لیا۔

خوشی اور شبہ دونوں ہی ایک ہی وقت میں برہمن کے دل میں پیدا ہو گئے۔ یہ جاننے کے بعد اسے اس سوال کا جواب مل گیا۔ اسے اپنے مستقبل کی فکر ہوئی۔ کیا اس کی شادی اس پیرائی سے ہوگی۔

وارارو چی اٹھا اور راج دھانی کی طرف روانہ ہوا ۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ صبح کے سورج کی شعائیں پتّیوں میں سے نیچے اس کے سر پر پڑنے لگ گئیں۔ اس کا دماغ ایک منصوبہ تیار کر رہا تھا جو ستاروں کی چال کے نیچے کو ختم کر سکے۔

☆ ☆ ☆

''آج اکتالیسواں دن ہے'' وکرما دتیہ نے کہا۔ اور جو لوگ دربار میں موجود تھے ان کو دیکھتے ہوئے کہا ''وارارو چی واپس نہیں آیا ہے بہت اچھی خبر ہے۔''

''ہمم ...... وہ کیا انداز دکھاتا تھا! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ادبیات اور قدیم کہانیوں کے سلسلے میں اس سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔''

بڑے آدمیوں کے ساتھ ہوآیا ہے کہ لوگ ان کے مخالف ہوتے ہیں اور ان سے حسد کرتے ہیں۔ ایسا ہی وارارو چی سے حسد کرنے والے بھی بہت تھے۔ وہ راجہ کے قریبی آدمی کی شکست سے خوش تھے۔

''ہمیں افسوس ہے'' راجہ نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''وہ ایک بہت اچھا آدمی تھا۔ شاید ہم نے اس کے ساتھ کچھ زیادتی کی ہے لیکن......''

''وہ تو یہاں ہے۔''

اس نعرے نے وکرمادتیہ کی بات کاٹ دی۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔

''وہ آ رہا ہے'' دربار ہال میں یہ آواز گونجی۔

یہ واقعی وارارو چی تھا۔ برہمن اپنے اوپر پورے بھروسے کے ساتھ راجہ کی طرف بڑھا۔ راجہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''وارارو چی! کتنی عجیب بات ہے۔''

''آپ کا معمولی غلام، مہاراجہ صاحب'' برہمن ہاتھ باندھے ہوئے جھکا۔

''بہت خوب، بہت اچھے'' راجہ اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''آج اکتالیسواں دن ہے۔ تمھیں اندازہ ہے، تم نے اس سوال کا جواب پالیا ہے۔''

وارارو چی نے دھیمے سے جواب دیا۔ ''حضور! مہاراجہ۔ بھگوان کی مہربانی سے میرا بھلا چاہنے والوں اور اس دربار کی دعاؤں سے میں جواب لے کر حاضر ہوا ہوں۔''

''تو سناؤ ہمیں کہ رامائن میں سب سے اہم اشلوک کون سا ہے اور اس کا سب سے اہم ٹکڑا۔''

''مہاراجہ صاحب، وہ اشلوک ہے:

رامم وسرتھم ورہی مم۔ ودھی جنک ماجم۔ ایودھیا ماتادم ودھی گبھاں تاتابدھاشکم! اور اس میں اہم ٹکڑا

ہے مام ودھی جنا کا جن، یہی ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"ہم نے اس کے بارے میں پہلے کیوں نہ سوچا۔"

واراروچی کے جواب سے خوشی کے نعرے اور مبارک باد کا شور ہوا۔ خوشی کے مارے مہاراجہ اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور برہمن کو گلے لگالیا۔

"آؤ" وکرمادتیہ نے اپنی پسندیدہ شخصیت کو اپنے برابر میں تخت پر بٹھالیا۔

"میرے دوست تمھارا کوئی ہم سر نہیں ہے۔"

"ہمیں تمھارے ساتھ اتنا بے رحم ہونے کے لیے معافی مانگنی چاہیے۔ لیکن اس سے تمھاری جو صلاحیت تھی وہ اور اُجاگر ہوگئی۔ ایں"۔

جب مہاراجہ برہمن کو تحفوں سے لاد چکا اور خطابوں سے نواز چکا۔ راجہ اور دربار کے ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ اس اشلوک کی تشریح کرے۔

"جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں" واراروچی نے شروع کیا۔ یہ الفاظ سُمترا کے ہیں جو اس نے اپنے بیٹے لکشمن سے جب وہ اپنے بھائی رام اور بھابھی سیتا کے ساتھ جنگل کو جارہا تھا۔ اشلوک کا ایک مطلب ہے۔ "میرے بیٹے اپنے بڑے بھائی کا اتنا ہی احترام کرنا جتنا اپنے باپ کا۔ اور جانکی کا اتنا ہی جتنا میرا اپنی ماں کا۔ جنگل کو ایودھیا سمجھنا۔ خوشی خوشی سدھارو۔"

"اس کا دوسرا مطلب ہوسکتا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ رام مہاوِشنو کے علاوہ اور نہیں ہے۔ (دشرتھ کے معنی ہیں جو پرندے پر سوار ہو) عظیم گرو رام یہ سمجھو کہ سیتا (جگت مایا) مہالکشمی ہے یعنی ماں۔ ایودھیا (جسے رام ایک بار چھوڑ دیا تھا) جنگلی پن کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ لہٰذا میرے بچّے ایودھیا کو بغیر شک وشبہے کے چھوڑ دے۔"

واراروچی نے اشلوک کا مطلب بیان کیا۔

''ہمارے پاس تمھاری ذہانت کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں ہے واراروچی!'' مہاراج نے ارشاد فرمایا۔
''تمھاری خواہش کیا ہے...... بتاؤ......''

مہاراج! آپ کی عنایت سے میرے لیے وہ سب کچھ ہے جو میری خواہش ہو سکتی ہے۔''
برہمن جنگل کی آتماؤں کی پیشن گوئی نہیں بھولا تھا، اب اسے اس کا موقع دکھائی دیا۔
''لیکن ایک بات ہے جو میں آپ سے عرض کر سکتا ہوں۔''

''چند گھنٹے پہلے پیرائی کے یہاں ایک بچی پیدا ہوئی ہے۔ ستارے یہ پیشن گوئی کرتے ہیں کہ یہ لڑکی اس راجہ کے لیے تباہی کا باعث بنے گی۔ اس سے پہلے کہ یہ لڑکی تین سال کی ہوگی یہ راج ختم ہو جائے گا۔ تباہی کے میرے شگون شروع ہو چکے ہیں اور اب دیر نہ کرو۔''

واراروچی تم کس کے بارے میں کہہ رہے ہو'' وکرمادتیہ چونکتا ہوا۔ ''کیا اس سے بچنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے تو مہاراج اس بچّی کو ختم کر دیا جائے۔''

''ختم کر دیں۔ ایک بچّی کو۔ ایک لڑکی کو۔ اس کے لیے کیسے۔''

''یا یہ کیجیے، ورنہ تباہی یقینی ہے۔''

راجہ کے ذہن میں واراروچی کے الفاظ کے بارے میں کوئی شک نہ تھا۔ یہ برہمن پورے علاقے کا سب سے بڑا نجومی تھا۔ وکرمادتیہ کی پیشانی پر ایک لمحے کے لیے فکر کی لکیریں نظر آئیں، اس نے اپنے وزیروں سے مشورہ کیا۔

واراروچی اپنے راجہ کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کے اپنے چہرے پر کوئی پریشانی نہ تھی۔
''میں ......نہیں ہوں'' راجہ نے پُریقین لہجے میں کہا۔

''لیکن علاقے کا فائدہ بھی تو ضروری ہے اگر اس بچّی کو جانے سے ملک کا فائدہ ہے تو اسے جانا چاہیے''۔

وکرمادتیہ نے اپنے ذاتی محافظ کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ واراروچی کی رہنمائی میں اس بچّی کو تلاش کرے اور ایک تنے کے کھوکھلے حصّے میں رکھ کر اس کے سر پر تاج کے اوپر ایک جلتا چراغ رکھ کر

اسے دریا میں بہا دیا جائے۔

وارارو چی خوش تھا کہ پیرائی جو اس کی یعنی برہمن کی بے عزّتی کا باعث بنی ختم ہوئی۔

☆ ☆ ☆

برسوں بعد ایک سفر کے دوران وارارو چی ایک برہمن کے گھر کھانا کھانے اور آرام کرنے کے لیے رُکا۔

''جلدی سے نہا ڈالیے'' میزبان نے کہا۔ ''کھانا تیار ہے۔''

''یہ بات ہے'' وارارو چی نے سوچا ''خوب مزا رہے گا، کچھ اور بھی مزا لیتے ہیں کھانے سے پہلے ان کا پورا ہونا ضروری ہے۔''

''اگر یہ میرے مَن میں ہے تو میں ضرور پورا کروں گا۔''

''وہ یہ ہے جیسے ہی نہانا ختم کروں گا مجھے پہننے کے لیے ریشمی کپڑے چاہئیں۔ میں سو آدمیوں کو کھلانے کے بعد ہی کھاؤں گا۔ میرے کھانے میں ایک سو آٹھ سالن چاہئیں۔ کھانے کے بعد میں تین آدمیوں کو کھاؤں گا۔ اور چار آدمی وہ چاہئیں جو مجھے اٹھا کر لے جائیں۔ بس یہی سب کچھ ہے۔''

میزبان پریشان ہوا۔ لیکن جیسے ہی وہ خاموش کھڑا ہوا وہ سوچ رہا تھا کہ ''یہ سب شرطوں کو کیسے پورا کرے جو شرطیں ہیں، ان میں سے ایک بھی پوری ہونے والی نہیں ہے۔'' گھر کے اندر ہی سے کوئی بولا۔

''پتا جی! ٹھیک ہے یہ آواز کسی جوان لڑکی کی معلوم ہوئی کہہ دیجیے کہ یہ سب کچھ ہو جائے گا۔''

''کیا کہہ رہی ہو میری بچّی'' اس برہمن نے اپنی لڑکی سے پوچھا۔ جب وہ نہانے کے لیے گیا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس نے کیا کہا۔ ہم یہ سب کچھ کیسے مہیا کریں گے۔''

''آپ سمجھے نہیں پتا جی!'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''میں بتاتی ہوں اس نے کیا کہا ہے اس کے ریشم کہنے کا مطلب ہے کہ نہانے کے بعد صاف ستھرا لباس پہنے گا۔ ایک سو آدمیوں کو کھانا کھلانے کا مطلب ہے کہ وہ کھانے سے پہلے پوجا کرے گا۔ کیا یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ پوجا سے سو دیوتا راضی

ہوتے ہیں۔ ایک سو آٹھ سالن مانگنے کا مطلب ہے ادرک کا سرکہ جو ایک سو آٹھ سالنوں کے برابر ہوتا ہے۔ کھانے کے بعد تین آدمیوں سے مطلب ہے پان، چھالیہ اور چونا۔ اسے اٹھانے کے لیے چار کا مطلب ہے چار پائی کے چار پائے۔ یہی ہے جو وہ چاہتا ہے۔ کھانے کے بعد سونا چاہتا ہے۔''

''میں کبھی نہ سمجھ پاتا'' برہمن نے کہا۔ ''تم تو ایک عجیب لڑکی ہو میری پیاری بچّی۔ '' کرو بھئی جو کچھ تمھیں کرنا ہے۔ اس کے آنے سے پہلے۔''

جب وارارو چی نہانے کے بعد گھر واپس آیا تو اس نے صاف دھوتی موجود پائی اور پوجا کا پورا سامان تیار تھا۔ جیسے پھول، صندل اور کھانے کا سامان۔ ادرک کی چٹنی کھانے کے لیے تیار تھی جب وہ کھانے کے بعد باہر آیا تو پان تمام ضروری سامان کے ساتھ موجود تھا۔ ایک چار پائی بستر اور تکیہ آرام کے لیے موجود تھے۔

جب وارارو چی سونے کے لیے لیٹا تو اسے یقین تھا کہ نوجوان لڑکی نے یہ سب سمجھ لیا تھا اور اس کا انتظام کیا تھا۔ اس نے اسی وقت طے کیا کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرے گا۔

لڑکی کا باپ وارارو چی کی اپنی لڑکی سے شادی کے لیے درخواست سن کر بہت خوش ہوا۔ ان دونوں کی شادی بغیر کسی دھوم دھام کے کر دی گئی اور نیا شادی شدہ جوڑا وارارو چی کے گھر کے لیے روانہ ہوا۔

ایک دن جب یہ محبت کرنے والا جوڑا ساتھ ساتھ وقت گزار رہا تھا، وارارو چی نے اپنی بیوی کے بالوں میں کنگھا کرنا شروع کر دیا۔ ایک دم اسے اس کے سر پر ایک نشان نظر آیا۔

''یہ کیا ہے، پیاری! تمھارے سر پر ایک نشان ہے۔''

''او، وہ۔ یہ میرے سر میں اس وقت سے ہے جب میں دودھ پیتی بچّی تھی۔''

''چھوٹی سی بچی'' وارارو چی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

''ہاں میری ماں نے مجھے بتایا کہ اس نے مجھے ایک کھوکھلے تنے میں پانی میں بہتے پایا تھا۔ اس نے مجھے نکال لیا اور اپنی بیٹی کی طرح میری پرورش کی۔''
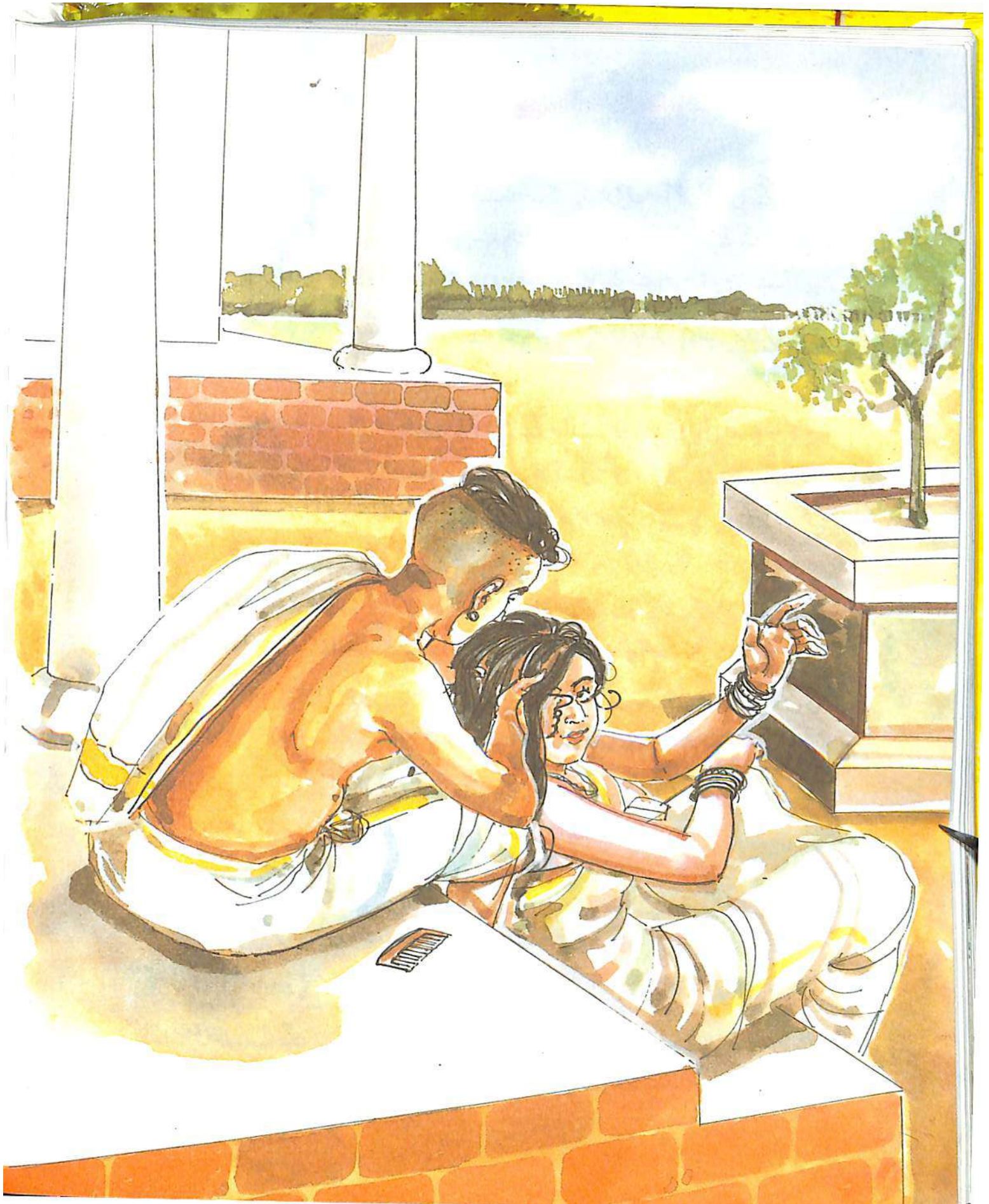
''یہ نشان۔''

''ایک جلتا ہوا چراغ میرے سر پر لگا تھا'' اس نے مجھے بتایا تھا۔

اس نے اپنے شوہر کے شبہے کو محسوس کیا۔ ''کیا بات ہے، کیا تمھیں کوئی بات پریشان کررہی ہے۔''

''ہونی ہوکر رہی ہے'' عالم برہمن نے محسوس کیا کہ جو کچھ تقدیر میں ہے ہوکر رہتا ہے۔ وارارو چی اپنی بیوی سے اتنی محبت کرتا تھا کہ اس کے خلاف کچھ نہ کرسکتا تھا۔ اس کے باوجود کہ وہ برہمن نہ تھی ایک بہت اچھی بیوی تھی اس نے اپنی بیوی کو جنگلی آتماؤں کی پیشن گوئی کے بارے میں بتایا اور یہ بھی بتایا کہ یہ کیسے پوری ہوئی۔

''ہم یہ جگہ چھوڑ دیں گے'' اس نے اپنی پیاری بیوی سے کہا۔ ''اور غیر ملک کو چلے جائیں گے، سفر ذہن کو صاف اور کشادہ کرتا ہے۔''

تو یہ دونوں سفر پر روانہ ہوگئے۔ اور ملایالی کے علاقے میں پہنچ گئے۔ اس عرصے میں وارارو چی کی بیوی ماں بننے کی حالت میں آگئی۔

جنگل بچّے کی پیدائش کے لیے بہترین جگہ ہے'' وارارو چی نے فیصلہ کیا۔ جب پیدائش کا وقت قریب آیا اس نے بیوی سے گھنی جھاڑیوں میں جانے کے لیے کہا اور خود باہر انتظار کرتا رہا۔ ان دواؤں کے علاوہ جو ماں کی صحت کے لیے ضروری ہوتی ہیں اس کے پاس کھانے کے لیے جنگلی پھل اور پینے کے لیے چشمے کا پانی تھا۔

جیسے ہی بچّہ پیدا ہوا باپ نے پوچھا ''کیا اس کا منہ ہے۔''

''ہاں ہے'' اسے جواب ملا۔

اسے وہیں چھوڑ دو'' اس نے بیوی کو حکم دیا۔ ''جس مالک نے اسے منہ دیا ہے وہی اس کے لیے کھانا مہیا کرے گا۔''

نوزائیدہ بچّے کو جنگل میں چھوڑ کر وہ آگے چلے۔ کچھ دن بعد وہ پھر بچّے کے ساتھ تھی۔ پھر وہی گھنی جھاڑیاں اور وہی سوال کہ کیا بچّے کا منہ ہے اور پھر وہی ہوا۔

یہی ہوتا رہا یہاں تک کہ ان کے گیارہ بچّے ہوئے اور ان سب کو چھوڑ دیا۔ جب بارہویں بچّے کی پیدائش کا وقت آیا تو ماں نے شوہر کو دھوکا دینے کی سوچی۔

''بارہ بچّے ہوئے اور میں اب تک بے بچّے کی ہوں'' اس نے اپنے آپ سے کہا۔ ''اس بار جب وہ خوفناک سوال کرے گا تو میں کہوں گی کہ نہیں۔ بہرحال وہ میرا شوہر ہے۔ میں آگے چل کر اسے بتاؤں گی۔''

جب بارہواں بچّہ پیدا ہوا اور وارارو چی نے پوچھا ''کیا اس کے منہ ہے؟'' اس کی بیوی نے جواب دیا ''نہیں۔''

''اسے اٹھالو اور آؤ چلیں۔''

ماں نے خوشی کے ساتھ اس بچّے کو اپنی گود میں لے لیا اور اپنے شوہر کے پیچھے چلی۔ وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ جب ماں نے بچے کو دوبارہ دیکھا اس نے بچے پر سے کپڑا ہٹایا اور چلائی۔

''''او بھگوان!'' وہ زور زور سے رونے لگی۔ ''او بھگوان!''

''اب کیا ہے۔''

''میرا بچّہ'' وارارو چی کی بیوی زور زور سے رونے لگی۔ اس کے منہ نہیں ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے...... ''ایک نیک اور شریف عورت کی بات کبھی جھوٹی نہیں رہتی۔ شوہر نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ''تم نے کہا تھا کہ بچّے کے منہ نہیں ہے۔''

''کیا نہیں کہا تھا؟''

''اب میں کیا کروں'' وہ کہہ رہی تھی۔

''اب یہ بچّہ مجھے دے دو۔'' واراروچی نے کہا۔ وہ لوگ ایک پہاڑی پر تھے۔ بچّے کو لیے ہوئے اس پہاڑی تک آئے برہمن نے بچّے کو وہیں چھوڑ دیا۔

''وقت گزرنے کے ساتھ پہاڑی پر ایک مندر بن گیا۔ اس کا نام ہوا وائیلا کنّی لپّن۔ یعنی پہاڑی پر بغیر منہ کا دیوتا۔

عالم و فاضل برہمن اور ہوشیار پیرائی کی ایک درجن اولاد ہوشیار پیرائی کے لیے ختم نہیں ہوئی۔ ان کی مختلف لوگوں نے پرورش کی اور گود لیا۔ اور آخر کار ان سے کیرالا کی بارہ ذاتیں اور ان کی شاخیں وجود میں آئیں جو اب تک پھل پھول رہی ہیں۔
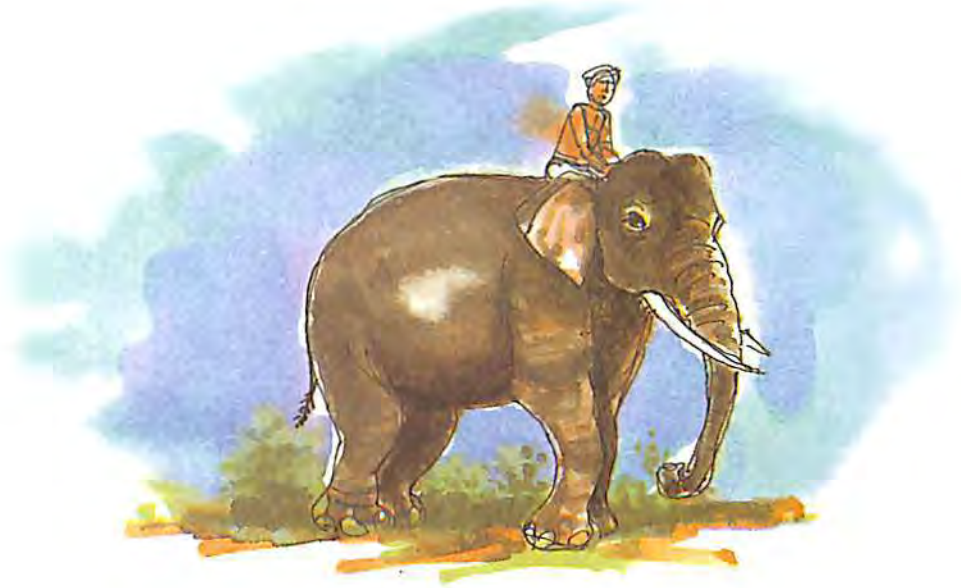
نیل کنٹھن

اب سے کوئی سو سال پہلے کی بات ہے کہ عرب تاجروں کی پارٹی کیرالا آئی۔ سفر کے دوران وہ لوگ پنتھالم پہنچے پنتھالم تراونکور کی ریاست میں تھا۔

عرب پارٹی کے لیڈر نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''اب کچھ آرام کرنا چاہیے۔'' وہ لوگ پنتھالم کے مہادیو مندر کی زمین پر تھے۔ ''یہ جگہ آرام کرنے کے لیے بہت مناسب معلوم ہوتی ہے۔''

''شاید مندر کو بھی دو ہاتھیوں کی ضرورت ہے'' ایک لمبے سیاہی مائل رنگت کے آدمی نے کہا۔

ان تاجروں کے قافلے میں کچھ ہاتھی بھی تھے۔ یہ ہاتھی ان کے تجارتی سامان میں تھے۔

وہ لوگ مناسب وقت پر شہر نہ پہنچ سکے تھے۔ مندر میں میلہ ہو رہا تھا۔ اس میں ہاتھیوں کی سخت ضرورت تھی۔

''ہاں تم یہاں ٹھہر سکتے ہو'' مندر کے منتظمین نے ان عرب تاجروں کو اجازت دی۔

''ہم تو ادھر سے گزر رہے تھے، ہم کل چلے جائیں گے۔''

''اطمینان سے رہو'' بڑے منتظم نے کہا۔اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تاجروں کا سردار مسلمانوں والی گول ٹوپی پہنے تھا۔ اس نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا ''ہاں، ہم تمھارے کس کام آسکتے ہیں۔''

''ہمیں بڑی خوشی ہوگی اگر آپ اپنا ایک ہاتھی ہمیں دے سکیں۔''

عرب تاجر ہنسا اور اس نے کہا ''ہاں یقیناً، یہ بیچنے کے لیے ہی ہیں۔''

''ہمیں مندر کے لیے ایک ہاتھی چاہیے۔ وہ چھوٹا والا۔ لیکن ہم بہت مہنگا نہ لے سکیں گے۔''

''تم اپنی پسند کا لے لو'' تاجر نے اپنی ٹوپی کو ٹھیک کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہ سب بیچنے کے لیے ہی ہیں۔ ان سے بہتر ہاتھی اور کہیں نہ ملیں گے۔ مجھے یقین ہے۔''

''دیکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں کیا خیال ہے، وہ ہاتھی بچہ۔''

''او۔ وہ والا۔ ہم آپ کو یہ سستا ہی دیں گے، بہت ہی سستا۔'' اور اس نے قیمت بتائی۔

''یہ بہت زیادہ ہے'' منتظمین میں سے ایک نے کہا۔ ''ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ تو صرف بچہ ہے، ایک جوان ہاتھی نہیں ہے اور یہ کمزور بھی ہے۔''

''اس کے ایک پیر میں بھی کچھ گڑبڑ ہے۔''

''یہ سب تو ٹھیک ہے۔ ایسا کرو کہ اس کے جوان ہونے کا انتظار کرو۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کے برابر کا ہاتھی اور علاقے میں نہ ہوگا۔''

''اس کے باوجود یہ بہت مہنگا ہے۔''

تاجر اور میزبان دونوں سودے بازی کرتے رہے۔ سوداگر اپنی بولی سے نیچے نہ اترے اور مندر والوں کے پاس اتنا پیسہ نہ تھا۔ اور بات یوں ہی ختم ہوگئی۔ اگلی صبح رات بھر آرام کے بعد تازہ دم عرب پنتھالم سے چلنے کو تیار ہوئے۔ وہ ابھی مندر سے بہت دور نہ گئے ہوں گے کہ ایک ہاتھی ایک

جگہ جم کر کھڑا ہو گیا اور آگے چلنے سے جیسے انکار کر دیا۔

بچّہ ہاتھی تاجروں اور مقامی آدمیوں کے بیچ اختلاف کی وجہ تھا۔

''اس کے ساتھ ایک پریشانی ہے۔''

''وہ چل نہیں رہا...... اور ہم نے ہر ممکن کوشش کی۔ ہمیں تعجب ہے کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔''

''ہم پورا دن اسے چلنے کو تیار کر لیں گے یہاں ہم رک سکتے ہیں'' ایک عرب نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہم مندر کے ہاتھ بیچ دیں۔''

''لیکن وہ ہمیں پوری قیمت نہیں دے رہے۔''

''ان حالات میں اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں۔ اگر یہاں رکے رہے تو اس سے بھی زیادہ نقصان ہوگا۔ ہمیں یہ سودا کر لینا چاہیے چاہے اس میں ہمیں نقصان ہی ہو۔''

''یہ ٹھیک ہے۔''

''مندر واپس چلو، جلدی کرو۔''

بہت ہی عجیب بات جیسے ہی عربوں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ اس بچّہ ہاتھی میں زبردست تبدیلی آئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی خوشی سے چل رہا ہے۔ اُسے ہانکنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

''دیکھو۔ وہ تو بالکل ٹھیک چل رہا ہے۔''

''ہم اور انتظار نہیں کر سکتے۔ اس سے پیچھا چھڑاؤ۔''

مندر کے منتظمین تاجروں کو واپس آتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مندر کو ایک ہاتھی کی ضرورت تھی۔

مقامی آدمیوں نے محسوس کیا کہ ان تاجروں کو کچھ پریشانی ہے۔

''ہم نے جو قیمت لگائی ہے وہ بہت ہے۔ وہ لے لو یا چھوڑ دو'' منتظمین نے مکّاری سے کہا۔ ''جو
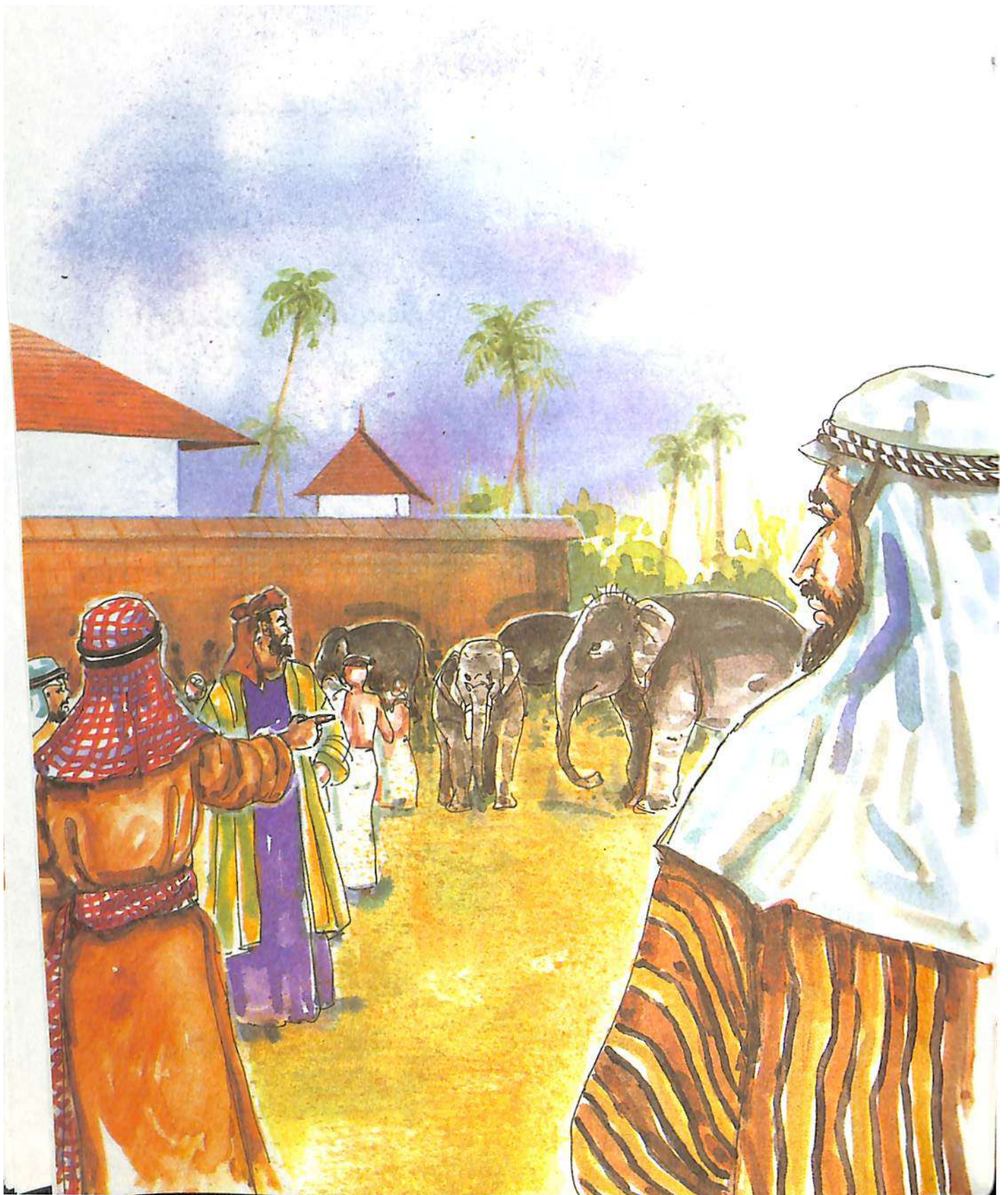
کچھ پہلے دے رہے تھے اس سے کم لگائی۔"

"چلو معاملہ طے ہو گیا۔"

ہاتھی بچے کو نہلایا گیا اور اسے دیوتا پر مندر کے اندر چڑھا دیا۔

"اس کا نام نیل کنٹھن رکھو۔ یہ مہادیو کی مرضی تھی جو اسے یہاں کنٹھ لائی"، منتظمین میں اس وقت ہاتھی کو سدھارنے والا کوئی آدمی موجود نہ تھا کہ نیل کنٹھن کو اس کے حوالے کیا جا سکتا۔ وہ ہاتھی پنتھالم کا نیل کنٹھن مشہور ہو گیا۔ وہ یونیتھم کے حوالے کیا گیا جو مندر کا سب سے سینئیر آدمی تھا۔

جیسے جیسے وقت گزرا نو جوان ہاتھی تندرست ہوتا گیا۔ اس کے پیر میں جو خرابی تھی وہ بھی دور ہو گئی۔ یونیتھم نے صبر اور محنت کے ساتھ تربیت دی۔

جب بارہ سال گزر گئے تو نیل کنٹھن ایک خوب صورت جوان ہاتھی بن گیا تھا۔ اس پر بیس کی عمر کا دھوکا ہوتا تھا۔ وہ اتنا ہی مضبوط اور لمبا چوڑا تھا یونیتھم کی نگرانی میں اس نے وہ سب کچھ سیکھ لیا جو کچھ ایک مندر کے ہاتھی کے لیے ضروری تھا۔ مندر کی رسموں کا مقابلہ ہو یا اور کسی محنت کے کام کا، نیل کنٹھن کے مقابلے کے کم ہی ہاتھی تھے۔

"لیکن اس ہاتھی میں ایک کمزوری تھی۔"

"کیا یہ شرم کی بات نہ تھی" قصبے کے لوگ کہتے۔ "اگر اس کے دانتوں کا جوڑا بھی ہوتا تو وہ کتنا شاندار لگتا۔"

"بہت کم جانور ہوتے ہیں جو دانتوں والے ہیں۔ افسوس۔"

منتظمین نے پہلے تو چاندی کے دانت لگانے کی کوشش کی لیکن وہ توڑ ڈالتا تھا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا تھا۔

"وہ جانتا تھا کہ یہ نقلی ہیں۔"

''اب کیا ہو۔''

ایک دن نیل کنٹھن کے مسئلے کا حل معلوم ہوگیا۔ مندر میں درشن کرنے کے لیے آنے والوں کے لیے یہ تعجب کی بات تھی۔

''وہ کون ہے۔ وہ نئے آنے والے کے خوب صورت دانتوں پر تعجب تھا۔

''انھیں دانتوں والا ہاتھی کب ملا۔''

''بیوقوف یہ نیا ہاتھی نہیں ہے بلکہ نیل کنٹھن ہی ہے۔''

''نیل کنٹھن تم جوان ہور ہے ہو۔ یہ کیسے ہوا کہ دانت ایک دم نکل آئے۔''

''وہ نقلی ہیں۔لکڑی کے بنے ہوئے۔''

''او۔ یہ تو اصلی معلوم ہوتے ہیں۔نو جوان نیل کنٹھن اب تراونکور میں اس جیسا ہاتھی دانت نہیں ہے۔''
یونیتھم نے نیل کنٹھن کی ذمہ داری ایک پیشہ ور مہاوت کے سپرد کردی۔ اس کا نام مہادیو اسر تھا۔ مہادیو اسر ہاتھی کے لیے باپ اور بھائی دونوں تھا۔ نیل کنٹھن بھی اپنے مہاوت کے لیے یہی جذبات رکھتا تھا۔

مدھارسر کا ایک پیار بھرا جملہ اور ایک پیار سے تھپکنا مشکل سے مشکل کام نیل کنٹھن کے لیے آسان تھا۔

مدھاسر شراب پیتا تھا۔ وہ اپنے شاگرد کو بھی اس کا حصہ دیتا تھا۔ ظاہر ہے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مہاوت ضرورت سے زیادہ پی جاتا تو نیل کنٹھن اپنے استاد کو اپنی سونڈ میں اٹھا کر اس کے گھر لے جاتا اور وہ اپنے سر پر لٹا لیتا۔

جب بھی اس کا بھائی ہوتا ہاتھی کو لے کر نکل جاتا۔ وہ نیل کنٹھن سے بڑے سے بڑے کام کراتا۔ اور وہ اس کے بدلے میں اسے کچھ کھانے کو دیتا تو وہ اسے مزدوری ہی سمجھتا اپنے مہاوت کی طرح

پیار بھرا کھانا نہ سمجھتا۔

جہاں تک گروندسر کا یقین تھا نیل کنٹھن صرف ایک جانور تھا، اور اسے اپنے کام اور فائدے کے لیے استعمال کرتا۔

گروندسر ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتا تھا کہ وہ ہاتھی کے ذریعے کچھ کما سکے۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک نیل کنٹھن کو یونیتھم کا تحفظ حاصل ہے وہ اسے آزادانہ استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ وہ فکر میں تھا کہ کیسے یونیتھم سے پیچھا چھڑائے۔

معاملہ آخری حد تک پہنچ گیا۔ ایک دن جب گروندسر مندر سے دریا کے کنارے لے گیا۔

''اے بھولے جانور چل'' اس نے نیل کنٹھن کی سونڈھ کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ نیل کنٹھن نے کوئی پرواہ نہ کی اور وہ اس کے انداز سے ناخوش تھا۔

وہ خاص طور پر مہاوت کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا جب تک یونیتھم موجود تھا۔

''میں تمھیں دوں گا......'' اور مہاوت کا گھونسہ چلا۔

تحفظ کے غلط احساس کی وجہ وہ اس حملے کی امید نہ کرتا تھا۔ چوں کہ حملہ ایک نازک مقام پر تھا، درد کی ایک لہر جانور میں بھر گئی ایک دم اس کے سر میں کچھ ہوا۔ بدلے کی چنگھاڑ کے ساتھ گروندسر پر حملہ کیا۔ اس نے ہاتھی کے جواب کو سمجھ لیا ااور اس کے وار کے دائرے سے کھسک گیا۔

یونیتھم مہاوت کے پاس کھڑا تھا۔

ہاتھی کا پوری طاقت اور بدلے کا سونڈھ کا دائرہ اس آدمی کے جسم پر پڑا جو شبہ سے بالاتر تھا۔ یونیتھم جانور کے خوفناک حملے سے لڑکھڑا کر گر گیا، گروندا سر ہاتھی کی پہنچ سے باہر بھاگ گیا۔

نیل کنٹھن نے اسے جانے دیا۔ اسے یہ احساس ہوا کہ اس نے زبرست غلطی کی ہے۔ مجرم کے بدلے یونیتھم کو ماردیا ہے۔

درد سے تڑپتے ہوئے زخمی آدمی تڑپ کر اس جگہ سے دور ہو گیا۔ ہاتھی سکتے کے عالم میں اسے دیکھتا رہا اس کی دکھ بھری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

پورے ایک ہفتے تک یوتیتھم کی حالت بگڑتی گئی۔ اس کے اندرونی اجزا اس زبردست چوٹ سے کچل گئے تھے۔ پوری ذہانت اور لگن کے ساتھ جو اسے دی گئی تھی نیل کنٹھن اپنے محسن کے ٹھیک ہونے کی دعائیں کرتا رہا۔

لیکن یہ نہ ہو سکا۔ یوتیتھم مر گیا۔

نیل کنٹھن کو صبر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اپنے مالک کی موت کے بعد کئی دن تک کھانے اور پانی کو چھوا تک نہیں۔

''جس چیز کا علاج نہ ہو سکے وہ خاتمے تک ہی پہنچتی ہے میرے بیٹے!'' مدھواسرا اسے صبر دلانے کی کوشش کرتا رہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم انھیں نقصان پہنچانا نہ چاہتے تھے۔ ان کا وقت آ گیا تھا۔ بہرحال زندگی تو چلتی ہی رہتی ہے'' اور زندگی چلتی رہی۔

گروند اسر نے اپنے طریقے نہ بدلے۔ وہ ہاتھی کو استعمال کرنے میں پہلے سے زیادہ بے فکر ہو گیا۔ چوں کہ اب یوتیتھم راستے سے ہٹ گیا تھا۔

ایک دن ایک شہری ایک تجویز کے ساتھ آیا کہ نیل کنٹھن کے لیے کام تھا۔ کچھ بھاری لٹھوں کو دریا سے نکال کر اس جگہ پر پہنچانا تھا جہاں عمارتی کام ہو رہا تھا۔

مادھواسر اس وقت موجود نہ تھا۔ گروند اسر ایسے موقع کو کب چھوڑتا تھا۔

''چلو میرے بدمعاش!'' مہاوت نے نیل کنٹھن سے کہا۔ ''بہتر ہے کہ تم اپنا خرچ خود اٹھانا شروع کرو۔''

شکر ہے کہ اس کے اندرونی احساس سے اچھا نیل کنٹھن انکار نہ کر سکا۔ لہٰذا اس نے حکم مان لیا۔

وہ لٹھے جو نیل کنٹھن کو پانی سے نکالنے تھے، بہت بھاری تھے۔ ان میں سے ایک لٹھے کو پکڑ کر ہاتھی نے پانی سے نکالا اور تعمیر کی جگہ لے چلا۔

دریا کے کنارے پر ریت بہت سوکھا اور باریک تھا۔ وہ لٹھے کو بہت دور تک نہ کھینچ سکا تھا۔ اس کی کوشش میں نیل کنٹھن کا سانس پھول گیا اور وہ پسینے میں تر ہو گیا۔

وہ گروند اسر سے پہلے ہی ناراض تھا اور وہ اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اسے لایا تھا۔ نیل کنٹھن کو ایک بہانہ مل گیا۔ ایک بڑے لٹھے کو لڑھکتا چھوڑ کر وہ واپس لوٹا۔

''ہے ہے'' ہاتھی کی گردن پر سے مہاوت چیخا۔ ''کیا کر رہے ہو نکمّے!''

نیل کنٹھن نے اپنا بڑا سا سر ہلایا۔

''کیا تم نہ کرو گے، یہی کہتے ہونا'' گروند اسر چیخا۔ ''میں تجھے سبق سکھاؤں گا۔''

جیسے ہی اس کا انکش کان کے پیچھے نازک جگہ پر لگا نیل کنٹھن اپنا دماغ کھو بیٹھا۔ وہ چلایا۔

اس نے غصّے میں اپنے بڑے سر کو جھٹکے دیے۔

وہ نیچے کودا۔ ہاتھی کے پیر کے پاس گرا۔

یہی وہ موقع تھا جس کا نیل کنٹھن کو انتظار تھا۔

اس کا اگلا پیر اوپر اٹھا اور پھر نیچے آیا۔

ہاتھی کی غصّے کی چنگھاڑ اور اس آدمی کی خوف زدہ آواز نے بہت ڈراؤنا ماحول پیدا کر دیا۔

نیل کنٹھن نے اسے مار ڈالا تھا۔

گروند اسر کے بچنے کے لیے کوئی موقع نہ تھا۔ اس کا سینہ نیل کنٹھن کے پیر کے نیچے لمحوں میں چور چور ہو گیا۔

اتنا خوفناک تھا غصّے میں بھرے جانور کا بدلہ کہ اس کے شکار کے ٹھنڈا ہو جانے کے بہت دیر بعد تک
بھی وہ اسے کچلتا رہا اور چنگھاڑتا رہا۔

بندروں کا قلعہ

سابری مالا کے سالانہ مذہبی سفر پر جانے کی جو روایت پانتھالم کے پہلے راجہ پانڈیان نے قائم کی تھی اسے اس کے بعد کے راجاؤں نے بھی جاری رکھا۔ ایک وقت آیا کہ یہ روایت بیچ میں رُک گئی۔ اس وقت پانتھالم راجہ نے کایم کولم کی شہزادی سے شادی کی اور اپنی بیوی کے ہی ملک میں رہ پڑا۔ راجہ اور رانی ایک دوسرے کے پیار میں کھو گئے اور جدا ہونے کا تصور ہی نہیں رہا۔ حد تو یہ ہے کہ راجہ سالانہ روایتی مذہبی سفر کو بھی بھلا بیٹھا اور اس طرح بارہ سال بیت گئے۔

ایک رات راجہ سوتے ہی میں چلانے لگا۔

''بچاؤ...... وہ آرہے ہیں۔ شیر...... شیر...... چیتے...... بچاؤ۔''

''کیا بات ہے؟ کیا ہوا'' خوف زدہ رانی نے شوہر کو جگایا اور پوچھا۔

''نہ نہ کچھ نہیں...... بس خواب تھا'' اس نے جواب دیا۔ ''جاؤ سو جاؤ۔''

اگلی رات وہ خواب پھر دکھائی دیا۔

پھر اس سے اگلی رات اور پھر ہر رات وہ خواب دکھائی دینے لگا۔ بات اس حد تک پہنچ گئی کہ تمام محل میں ہر شخص کی نیند راجہ کی بچاؤ بچاؤ کی آوازوں کی وجہ سے اڑنے لگی کیوں کہ وہ خواب روز ہی دکھائی

دیتا تھا۔ ''بچاؤ بچاؤ...... وہ آرہے ہیں، شیر...... چیتے...... وہ آرہے ہیں۔'' دواؤں سے لے کر جھاڑ پھونک تک سب کچھ کیا گیا کہ اس شاہی خواب سے نجات مل سکے۔ لیکن سب کچھ بیکار۔ رات کے وہ خواب جو پانتھالم کے راجہ کو آتے تھے آتے رہے۔

''ارے یہ سب کیا ہو رہا ہے'' ایک دن راجہ کے میزبان کایم کولم کے راجہ نے دریافت کیا۔

''یہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ پورے محل کے لوگ ہفتوں سے رات کو سو نہیں پاتے۔ یہ سب کیا ہے کہ شیر چیتے آرہے ہیں...... شیر چیتے بچے دے دیے ہیں۔ یہ زیادہ دن تک نہیں چل پائے گا۔''

''بہتر ہے کہ تم پانتھالم کو واپس لوٹ جاؤ اور اس وقت واپس آنا جب تم ان نامعقول خوابوں سے ٹھیک ہو جاؤ، ہوں۔''

پریشان راجہ اس حکم سے ٹوٹ گیا۔ وہ اپنی محبوبہ سے کیسے ایک لمحہ بھی الگ رہ پائے گا۔

اس رات خواب میں اسے ایک نامعلوم شخص برہمن کی شکل میں دکھائی دیا۔

''تمھاری طبیعت خراب ہونی تو یقینی تھی'' اس نامعلوم شخص نے کہا۔ ''تم نے کافی سالوں سے ساباری سالا جانا جو چھوڑ دیا ہے۔ تم کو جو شیر اور چیتے ڈراتے ہیں وہ اور کوئی نہیں بھگوان ایپّن کے نوکر چاکر ہیں۔ اب چوں کہ تم ساباری مالا کے مقدس مقام پر پچھلے بارہ سالوں سے نہیں گئے ہو اس لیے تم کو اب فوراً وہاں کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے۔ وہاں پر بارہ دن تک پوجا پاٹھ کرو۔ پھر ہر پیر کے دن بھگوان کی پوجا کا اہتمام کرو۔ تم کو اب یہی کرنا ہے۔ اب جاؤ۔''

''مجھے جانا ہوگا میری پیاری'' راجہ نے رانی سے اگلی صبح کہا۔ ''میں قسم کھاتا ہوں کہ بارہ دن بعد میں فوراً تمھارے پاس واپس آؤں گا۔''

''جایئے میرے سرتاج!'' ناخوشی سے رانی نے کہا۔ ''جلدی آیئے گا۔''

اسی دن کایم کولم کے محل میں عجیب واقعہ رونما ہوا۔ کایم کولم کا راجہ عجیب طرح کی حرکتیں کرنے لگا۔ اس نے سب سے بولنا بند کر دیا۔

''شیر نے بچے کو جنم دیا ہے...... چیتے نے بچے کو جنم دے دیا ہے...... وہ شیر...... وہ چیتا'' بس اتنا ہی کہتا تھا۔

راجہ نے اپنے روزمرہ کے کاموں میں دل چسپی لینا چھوڑ دی۔ جیسے نہانا، کھانا، عبادت کرنا یا تفریح کرنا۔ ایسا لگتا تھا وہ کسی کے اثر میں آ گیا ہے۔ اس کے منہ سے تو بس یہی لفظ نکلتے تھے۔ ''شیر نے جنم دے دیا ہے...... چیتے نے جنم دے دیا ہے'' ہر دوا اور ہر ترکیب کا استعمال کیا گیا جس سے راجہ کو ٹھیک کیا جا سکے مگر سب بیکار۔ جب سب کچھ بیکار ہو گیا تو بلایا گیا ستاروں کا حال بتانے والوں کو۔

پانتھالم کے راجہ کے لیے ہمارے راجہ کا جو رویہ تھا یہ اس کا نتیجہ ہے۔ قسمت کا حال بتانے والے اور تمام نجومیوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔ ''عالی جناب نے جس طرح اس راجہ کی بے عزّتی کی ہے اس سے بھگوان کی بے عزّتی ہوتی ہے۔ اب تو تکلیف سے نجات پانے کا صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے۔''

سابری مالا کے مندر میں ایک سو ایک روپے بھیجنے کا بندوبست کریں اور اس مندر کے برہمن مندر کے دربار میں ہر روز پڑھتے ہیں ''شیر نے جنم دے دیا۔ چیتے نے جنم دے دیا ہے۔'' ان الفاظ کو وہاں اپنی طرف سے کہلانے کا انتظام کریں۔''

جتنے پیسے کے لیے کہا گیا تھا وہ فوراً ہی سابری مالا کے بھگوان کے مندر میں بھیج دیے گئے۔ سنگھا کلی ایک قسم کا روایتی ناچ ہے جو وہاں کے برہمن ہر روز شام کو ادا کیا کرتے تھے۔ اس میں یہ لفظ بھی دہرائے جاتے تھے ''شیر نے جنم دیا ہے چیتے نے جنم دیا ہے'' اور یہ لفظ وہ ناچنے والے ادا کرتے تھے۔

☆ ☆ ☆

اس دوران پانتھالم کا راجہ بھی سابری مالا پہنچ گیا تھا۔ اور فوراً ہی بھگوان کی پرارتھنا میں مشغول ہو گیا تھا۔ اس نے جواہرات سے جڑا ایک تاج اور موتیوں کا ایک گلوبند اپنے بھگوان کو چڑھایا۔

اب رات کو دکھائی دینے والے خوب رک چکے تھے۔ مگر وہ عبادت میں اتنا مشغول ہو گیا تھا کہ عارضی طور پر وہ اپنی رانی کو بھول ہی گیا۔

بارہویں دن راجہ کو محسوس ہوا کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔ شاید معدے میں چبھن تھی اس نے طے کیا کہ وہ آج کھانا نہیں کھائے گا اور جا کر لیٹ گیا۔ جیسے ہی اس نے اپنی آنکھیں بند کیں ایک عجیب سی شکل اس کے سامنے ابھری۔

''ارے تم نے اپنی رانی سے جو وعدہ کیا تھا کیا تم اسے بھول گئے؟ آج بارہواں دن ہے...... جاؤ باہر ایک گھوڑا تمھارا انتظار کر رہا ہے۔ اس پر بیٹھو اور فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔''

راجہ مندر سے بہت عجلت میں باہر نکلا تو باہر گھوڑے کو انتظار کرتے ہوئے پایا۔

اچھل کر وہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوا اور چند گھنٹوں بعد ہی کایم کولم واپس لوٹ آیا اور اپنی بیوی سے جا ملا۔

ایک دن راجہ اور رانی جنگل میں ٹہل رہے تھے اور بات چیت میں بھگوان اور ان کی بلندیوں کی گفتگو شروع ہوگئی۔

''ارے نہیں......'' اچانک راجہ بولا۔ ''میں تو بالکل بھول ہی گیا تھا کہ مجھے ہر پیر کے روز بھگوان کی پوجا کرانی ہے ان کے ہی مندر میں، اب کیا کروں؟ اب تو مجھے ہر ہفتے تم کو چھوڑ کر جانا پڑا کرے گا......''

نہ جدا ہونے والا یہ جوڑا ایک بار پھر پریشانی میں پڑ گیا تھا۔ اس رات راجہ کو پھر کچھ سایہ دکھائی دیا۔

''فکر مت کرو'' اس سائے نے کہا۔ ''تمھیں سابری مالا تک جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں پر ہی کہیں آ کر بس جاؤں گا تاکہ تمھیں اپنی پیاری بیوی سے الگ نہ ہونا پڑے۔''

اسی زمانے میں کایم کولم کے راجہ نے مارشل آرٹ کے کھیل کا ایک مقابلہ کرانا طے کیا۔ اس کھیل کے ماہر، اس کی فوج اور پاس اور دور دور سے حصّہ لینے آنے والے تھے۔

کھیل کے مقابلوں کے دن تمام کھلاڑی راجہ کے سامنے سے سلامی دیتے ہوئے گزرے تب اس نے ایک ایسے نوجوان کو دیکھا جس کا چہرہ جانا پہچانا نہیں تھا۔ یہ نوجوان تو کسی طرح سے بھی جنگ جو نظر نہیں آتا تھا۔

''میرے بچے تم کون ہو؟'' راجہ نے دریافت کیا۔

''میں ایک ملیالی ہوں۔''

''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''میں یہاں سے مشرق کی طرف والے پہاڑوں کا رہنے والا ہوں۔''

''تمھارا نام کیا ہے؟''

''آئیپّن۔''

''تو یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''میں نے ان مقابلوں کے بارے میں سنا تھا جناب۔ میں نے سوچا مجھے بھی اپنا مقدر آزمانا چاہیے۔''

''تم کن ہتھیاروں سے واقفیت رکھتے ہو؟''

''میں ہر ہتھیار تھوڑا تھوڑا چلا سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تو چلو جاؤ میرے سورماؤں کے ساتھ مقابلے میں حصّہ لو۔''

راجہ نے کہا۔

اور پھر مقابلے شروع ہوگئے۔ نوجوان آئیپّن ایک نئی کھوج تھا۔ اس نے راجہ کے تمام سورماؤں کو ہرادیا تھا۔ چاہے تلوار ہو یا ڈھال ہو، بنوٹ ہو یا بھالا، تیر کمان ہو یا نیزہ، کوئی بھی اس نوجوان کے مقابلے پر نہیں لڑ سکا۔

''میرے بچے تمھیں انعام میں کیا چاہیے'' راجہ نے اس نوجوان کی فنکارانہ صلاحیتوں سے خوش ہوکر پوچھا۔

''بس تم کہو اور وہ چیز تمھاری۔''

''مجھے بس کچھ زمین چاہیے جناب۔ میں یہاں سے ایک تیر چھوڑتا ہوں۔ جس جگہ یہ تیر گرے گا وہاں سے چاروں طرف ساڑھے بارہ مربع میل کا علاقہ میرا ہوگا۔''

''تیر چھوڑو لڑکے؟''

ائیپّن نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا پھر مشرق کی طرف گھوم کر تیر چلادیا۔ تیر مشرق کی طرف کے جنگلوں کی طرف اڑ گیا۔

"جاؤ تیر تلاش کرو" راجہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔

ائپّن بھی ساتھ گیا اور پانتھالم کا راجہ بھی۔ محل سے شمال مشرق کی طرف بارہ میل پر پہنچ کر اچانک ایک تالاب نظر آیا۔ کچھ بیل تالاب کے کنارے گھاس چر رہے تھے ان میں سے ایک بیل جو سب سے زیادہ طاقت ور تھا بڑی زور سے پھنکارا اور سیدھا پانتھالم کے راجہ کی طرف دوڑ پڑا۔

راجہ کے سپاہی تتر بتر ہو گئے۔ ٹھیک اس وقت نوجوان بیچ میں آ گیا اور بیل کے حملے کو ناکام کر دیا۔

یہ دونوں لوگ مشرق کی طرف چلتے رہے۔ رات ہوگئی۔ اس رات ان لوگوں نے ایک چٹان پر آرام کیا۔ اس چٹان پر آج بھی پیروں کے وہ نشان موجود ہیں اور انھیں بھگوان کے قدم کہا جاتا ہے۔ اگلی صبح ائپّن اور پانتھالم کے راجہ نے تیر ڈھونڈنے کے لیے اپنا سفر پھر سے شروع کیا۔ آخر کار وہ ایک جھیل کے پاس پہنچے اس جھیل کے بیچ میں ایک جزیرہ تھا۔

"دیکھیے" ائپّن نے کہا۔ "آپ نے اس جزیرے کو دیکھا؟ وہاں پر میرا تیر پڑا ہے۔"

"پر اس جزیرے تک جایا کیسے جائے گا؟" راجہ نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ دیکھیے" ائپّن نے اشارہ کیا۔ پانی میں ایک لٹھا بہہ رہا تھا۔ راجہ کا جواب دیتے ہوئے بولا۔ "ہم اس پر چڑھ کر اس جزیرے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

وہ جوڑا اس لٹھے پر چڑھ گیا اور جیسے ہی وہ لوگ اس لٹھے پر سوار ہوئے لٹھا اپنے آپ جزیرے کی طرف بہہ چلا۔

"ائپّن ......" راجہ اپنے ساتھی کی طرف بات کرنے کے لیے مڑا۔ اسے ایک جھٹکا لگا۔ وہ نوجوان اس لٹھے پر نہیں تھا۔ غائب ہو چکا تھا۔

تب تک لٹھا جزیرے کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ جیسے ہی راجہ اس لٹھے سے خشکی پر کودا تو لٹھا واپس اسی طرف جانے لگا جدھر سے وہ آیا تھا۔ راجہ بھونچکا رہ گیا۔ پھر اس نے پانی سے دھیرے دھیرے ایک لمبی تھوتھنی باہر نکلتی دیکھی۔

"ارے مگر مچھ" راجہ چیخا۔ "ہاں ایک مگر مچھ ہی تھا۔"

''اس طرف جناب۔''

اس آواز پر راجہ مڑا تو اسے ایک آدمی دکھائی دیا جس کے ہاتھ میں تلوار ڈھال تھی اور ایک طرف اشارہ کررہا تھا۔

''مہربانی کر کے پیچھے آیئے جناب۔''

راجہ اس انجان آدمی کے ساتھ جزیرے میں اندر کی طرف بڑھتا گیا۔ پھر وہ ایک پتھر کی مورتی کے پاس پہنچے وہ مورتی سابری مالا کے بھگوان کی تھی اور سب سے زیادہ تعجب تو راجہ کو اس وقت ہوا جب

اس نے دیکھا کہ جو تاج اور موریتوں کا ہار راجہ نے سابری مالا کے بھگوان کو چڑھایا تھا وہی ہار اور تاج اس مورتی نے پہن رکھا تھا۔

دو اور لوگ بھی وہاں پر بھگوان کی حاضری میں تھے۔ ایک شنکھ بجانے والا لگتا تھا اور ایک پجاری جیسے حلیے میں تھا۔ کافی تعداد میں بھگوان کے بھگت بھی وہاں موجود تھے۔ بندروں کی ڈار کی ڈار وہاں موجود تھی۔ وہ سب ایک قطار میں کھڑے تھے۔

سر جھکے ہوئے اور ہاتھ باندھے ہوئے وہ سب بھی دوسروں کی طرح بھگوان ائیپّن کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔

راجہ بھی بھگوان کی مورتی کے سامنے مودّب کھڑا ہو گیا اور شکر ادا کیا کہ اس طرح کا درشن بھگوان نے اسے کرایا۔

''اب تو تم مطمئن ہو میرے بچے؟''

ٹھیک اسی وقت ایک بزرگ برہمن اس مقدس جگہ پر نمودار ہوا جو درویش کے انداز میں ناچتا گاتا ٹھیک راجہ کی طرف چلا آیا اور کہا۔

''میں نے جیسا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ہے۔ اب تم کو میرے اس پہاڑ پر دوبارہ چڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جن چیزوں کی ضرورت ہے تم یہیں وہ حالات پیدا کرو۔ یہ آدمی میرے پجاری کا کام کرتا رہے گا۔ جو شخص تمھیں یہاں لایا ہے وہ تمھارے محافظ کی طرح تمھارے ساتھ رہے گا۔ جو شخص شنکھ بجا رہا ہے وہ اور دوسرے انتظامات دیکھے گا۔ یہ بندر، وہ مگر مچھ جس نے تم کو خوف زدہ کر دیا تھا اور وہ مچھلیاں جو تالاب میں ہیں یہ سب میرے ہیں۔ جو بھی کوئی ان کو نقصان پہنچائے گا وہ سیدھا مجھ کو جواب دہ ہوگا۔''

ان جملوں کے بعد وہ بزرگ واپس اسی انداز میں اسی طرف چلا گیا جدھر سے آیا تھا۔

''کون تھا یہ...... کیا بھگوان خود آئے تھے'' تعجب سے کھڑا پانتھالم کا راجہ سوچتا رہا۔

وقت گزرنے کے ساتھ وہاں ایک مندر بنوایا گیا اور پورے علاقے کے چاروں طرف ایک دیوار

بنوائی گئی جو بالکل قلعے کے انداز کی نظر آتی تھی۔ اس جگہ کو سا ستھان کوٹہ کے نام سے جانا گیا۔ مطلب تھا بھگوان کا قلعہ۔ راجہ اور ان کی رانی بھی یہیں آ کر بس گئے اور اس جنگل کے بندر راجہ کے پالتو غلام سے ہو گئے۔ جب بھی کبھی راجہ اور رانی محل سے باہر گھومنے کے لیے جاتے تو وہ بندر ان کے پیچھے ہوتے۔ جب یہ شاہی جوڑا جھیل کے کنارے روزانہ نہانے جاتا تو مچھلیاں اور مگرمچھ ایک بار ضرور اپنی موجودگی درج کراتے۔

''ہمیں بھگوان کے ان سچّے بھگتوں کے بارے میں بھی کچھ کرنا چاہیے'' ایک دن راجہ نے فیصلہ کیا۔

اور پھر بندروں کے لیے، جھیل میں رہنے والا مگرمچھ اور مچھلی کے لیے کھانے کا معقول انتظام کر دیا گیا۔ راجہ اور رانی خود روز صبح مچھلیوں کو کھانا کھلاتے، پجاری جی دوپہر کو پوجا کے بعد برتن میں کھانا بھر کر بندروں کے لیے مندر کے باہر رکھ آتے اور مگرمچھ کی دیکھ بھال کا ذمہ چھوڑا گیا مرار پر جو بھگوان کے بھجن گاتا تھا۔

ایک دن کایم کولم کا راجہ وہاں آیا جیسے ہی وہ سا ستھان کوٹہ کے اندر اپنی پالکی سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شاہی مہمان کے خیر مقدم کے لیے دونوں طرف بالکل سیدھی قطار بنائے اور ہاتھ باندھے سارے بندر کھڑے تھے۔

''ارے یہ سب کیا ہو رہا ہے'' مسکرا کر مہمان نے کہا۔ '' لگتا ہے کہ یہ بندر کچھ خاص ہیں۔ ہوں۔''

''یہ بات تو ہے'' میزبان نے اقرار کیا۔ ''یہ سب بھگوان کے اپنے ہیں بالکل۔'' مذاقیہ انداز میں کایم کولم کے راجہ نے کہا۔

کچھ دیر بعد راجہ جھیل کی طرف پاک ہونے گیا اور اسی انداز میں بندروں کی فوج راجہ کے پیچھے پیچھے گئی۔ نہانے کے لیے راجہ نے اپنا موتیوں جڑا چھلا اتار کر ایک ٹہنی میں ٹانگ دیا۔ وہ پانی میں اتر گیا۔ چند لمحوں بعد ایک چیل جس نے اُڑتے ہوئے نیچے چمکدار چیز دیکھ لی تھی، جھپٹی اور راجہ کا چھلا لے اُڑی۔ راجہ دیکھتا رہ گیا اور وہ چڑیا آسمان میں گم ہو گئی۔ کوئی کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔

راجہ نے ندی میں اپنا غسل ختم کیا پھر مندر میں پوجا کے بعد واپس محل کو لوٹ گیا۔ بندر اس کے پیچھے
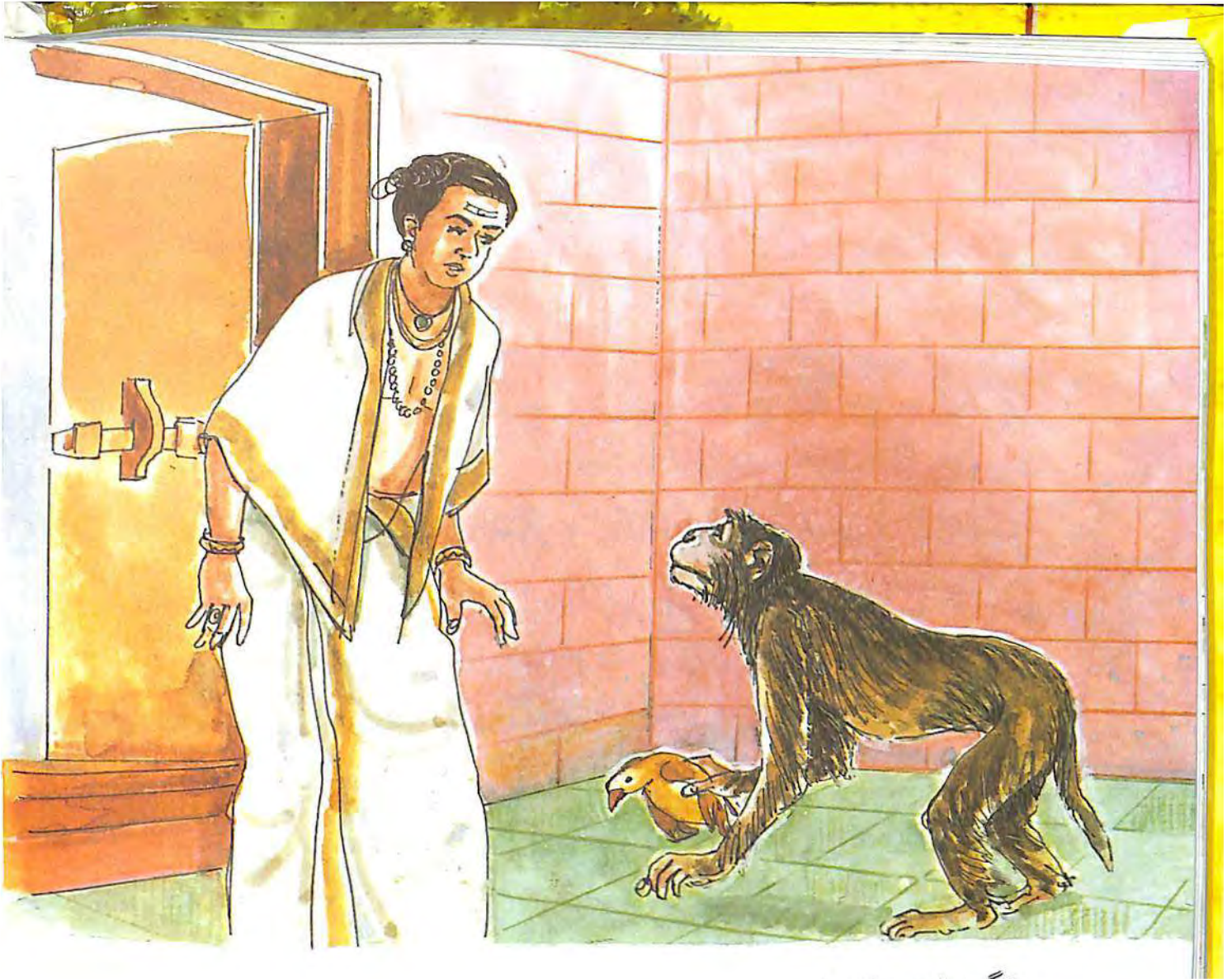
تھے مگر ان کا سردار نہیں تھا۔

''ارے کمال ہے، دیکھو۔''

کایم کولم کا راجہ چلتا ہوا شاہی مہمان خانے میں آرہا تھا۔

''ارے دیکھو اس کے پاس کیا ہے۔''

بندر کے ایک ہاتھ میں مری ہوئی چڑیا کا بے جان جسم تھا اور دوسرے میں راجہ کی ہیرے جڑا چھلا۔

''میرا چھلا!'' راجہ بہت ہی خوش ہوا۔ وہ اپنے میزبان کی طرف مڑا۔ ''واقعی آپ کے بندر تو بہت باکمال ہیں جناب۔ اور ہمارے لیے جو کچھ آج تم نے کیا ہے۔'' اس نے مڑکر بندروں کے سردار سے کہا۔ ''آج سے تم کونگریو کے نام سے جانا جائے گا۔''

کا یم کولم کا راجہ اتنا شکر گزار ہوا کہ اس نے ساستھان کوٹہ کے تمام بندروں کے لیے کھانے کا خاص اہتمام کیا۔ دھیرے دھیرے یہ ایک رسم سی بن گئی کہ مندر میں آنے والے زائرین بندروں، مچھلیوں اور مگر مچھ کو بھی کھانا کھلانے لگے۔

ایک بار ایک درمیانی عمر کی ایک عورت جو نایر خاندان سے تعلق رکھتی تھی، اس مندر میں آئی، اُسے اولاد کی خواہش تھی۔

''بھگوان اپنی مہربانی سے مجھے ایک لڑکی عطا کریں تو میں واپس لوٹ کر اس مندر میں آؤں۔'' اس عورت نے دعا کی۔ ''اگر میری پرارتھنا قبول ہوگئی تو میں بھگوان کے بھگت ان بندروں کی زوردار دعوت کروں گی۔''

ایک مہینے کے اندر ہی اندر اس عورت کی اپنے شوہر سے طلاق ہوگئی۔ پھر اس کی دوبارہ شادی ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے ایک بچی کو جنم دیا جیسا کہ اس کی خواہش تھی۔

بچی جب چھ ماہ کی ہوگئی تب ماں نے ساستھان کوٹہ جانا طے کیا۔ کیوں کہ وہاں بچی کا اننا پراسانم کروانا تھا۔ مندر میں خاص پوجا کا اہتمام کروایا گیا اور بھگوان کو چڑھاوا چڑھانے کا اہتمام کیا گیا۔

جب تقریب کا وقت ہوگیا تو وہ عورت پاک ہوکر مندر کی مورتی کے پاس کھڑی ہوگئی۔ پجاری بھی اننا پراسانم کے لیے تیار تھا۔ ایک کیلے کے پتے پر اس نے کھانا پروس دیا اور اس معصوم کو دیا۔ اچانک بچی بُری طرح رونے لگی۔ ہاتھ پیر پٹخ پٹخ کر وہ چیخ رہی تھی، چلاّ رہی تھی۔

''اس کو کیا ہوگیا؟''

ماں نے بچی کو ہر طرح بہلانے کی کوشش کرلی مگر بے کار۔

''اس کو نیچے لٹادو'' پجاری نے کہا۔ ''تمھارے ہاتھ سے پھسل نہ جائے۔''

''میری بچی کیا ہوگیا تجھے؟'' ماں نے بچی کو زمین پر پھیلے کپڑے پر لٹادیا۔ اگلے ہی پل بالوں سے گھرا لمبی ٹانگوں والا ایک وجود قریب کے پیڑ سے کودا۔

بچی کو اٹھایا۔ وہ سگریو تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھتا اور کچھ کرتا وہ واپس اسی پیڑ پر پہنچ چکا تھا اور

بچی اس کے ہاتھوں میں جھول رہی تھی۔

''میری بچّی میری بچّی'' بے حال ماں زوروں سے چلّائی۔ ''ارے کوئی میری بچّی کو بچاؤ۔''

''دیکھو وہ بچّی سگریو کی بانہوں میں اطمینان سے ہے۔'' پجاری نے کہا۔ ''اسے دیکھو......اس نے تو رونا بھی بند کر دیا۔ مجھے تعجب ہو رہا ہے...... ذرا سنو! یہ بتاؤ کہ تم نے بندروں سے کوئی وعدہ کیا تھا کھانا یا اس جیسی کوئی اور چیز؟'' کچھ لمحے تو عورت پجاری کو دیکھتی رہی پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ ہاں میں نے وعدہ کیا...... میں نے کیا تھا۔'' وہ بڑبڑائی ''...... میں نے بندروں کو شاندار دعوت دینے کا وعدہ کیا تھا کہ اگر میرے بیٹی پیدا ہوئی تو ان کو شاندار کھانا کھلاؤں گی۔''

''بس یہی بات ہے'' پجاری نے گردن ہلائی۔ ''تم اس سے کسی طرح بچ نہیں پاؤ گی۔ اب بچّی کو واپس پانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ بندروں کو کھلانے کے لیے پوجا گھر میں ایک سوا ایک روپے جمع کر دو۔''

''لیکن......لیکن'' عورت نے پجاری پر سے نظر ہٹا کر بچّی کی طرف دیکھا جو سگریو کی گود میں بیٹھی تھی اور خوش تھی۔ پھر اس نے پجاری کی طرف دیکھا۔

''میرے پاس تو پیسے مشکل سے ہی بچے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں، میں تمھیں پیسے دوں گا اور جب تم گھر پہنچو تو فوراً میرے پیسے واپس کر دینا۔''

بے چاری گھبرائی ہوئی ماں نے پوجا گھر میں پیسے چڑھائے۔ سب نے دیکھا کہ سگریو اونچائی سے جھولتا ہوا نیچے آیا اور آرام سے بچّی کو اس کپڑے پر رکھ دیا جس پر وہ پہلے تھی۔ اس سے تمام دیکھنے والوں کو بہت مسرت ہوئی اور تعجب بھی ہوا۔

ایک بار پانچ دوست ساستھان کوٹہ کے مقدس مندر میں درشن کے لیے آئے۔ ان میں سے چار نے بندروں اور مچھلیوں کے کھانے کے لیے پیسے چڑھائے۔ پانچواں جو ایک کنجوس تھا، کسی طرح بھی اس طرح کے خرچ کو تیار ہی نہیں ہوا۔

''کیا تم مندر میں کچھ بھی نہیں چڑھاؤ گے'' اس کے دوستوں نے کہا۔

''میں تو نہیں چڑھاؤں گا'' کنجوس نے گردن ہلائی۔ ''میں ان میں سے نہیں ہوں کہ چڑھاوا دے کر

بھگوان کو رشوت دوں۔ کیا یہ کافی نہیں کہ اس پوجا گھر میں آکر پوجا کی؟ کیا بے ہودگی ہے بندروں اور مچھلیوں کو کھانا کھلایا جارہا ہے۔''

''تم مصیبت کو دعوت دے رہے ہو......۔''

''میں اس طرح کا خطرہ مول لوں گا۔ لیکن پیسے کو اس طرح برباد نہیں ہونے دوں گا۔''

''جیسی تمھاری مرضی۔''

اور پانچوں دوست جھیل پر نہانے چلے گئے۔

جھیل کے کنارے پانی سے بچا کر پتھروں پر جو ایک محفوظ مقام تھا، انھوں نے اپنے اپنے تھیلے رکھے۔

جیسے ہی وہ پانچوں پانی میں اُترے ویسے ہی ایک بالوں سے ڈھکی ہیئت اونچائی سے اتری۔ وہ سگریو تھا۔ بندروں کے سردار نے ان میں سے ایک تھیلا اٹھایا اور آن کی آن میں واپس چڑھ گیا۔

''ارے رُکو!''

''دیکھو وہ تھیلے لے گیا۔''

''نہیں وہ صرف ایک لے گیا ہے۔''

پانچوں دوست تیزی سے کنارے پر آئے اور پایا کہ بندر واقعی صرف ایک تھیلا لے گیا تھا اور وہ اس کنجوس کا ہی تھا۔

''میرا تھیلا...... میرا تھیلا'' کنجوس چلایا اور اس طرف اشارے کرنے لگا جدھر بندر ان کی پہنچ سے دور ایک پیڑ پر بیٹھا تھا۔

''خبیث واپس آ...... میرا تھیلا واپس دے۔''

سگریو کھکھیایا۔ اس کے پیلے دانت اس کنجوس کا مذاق اڑا رہے تھے۔
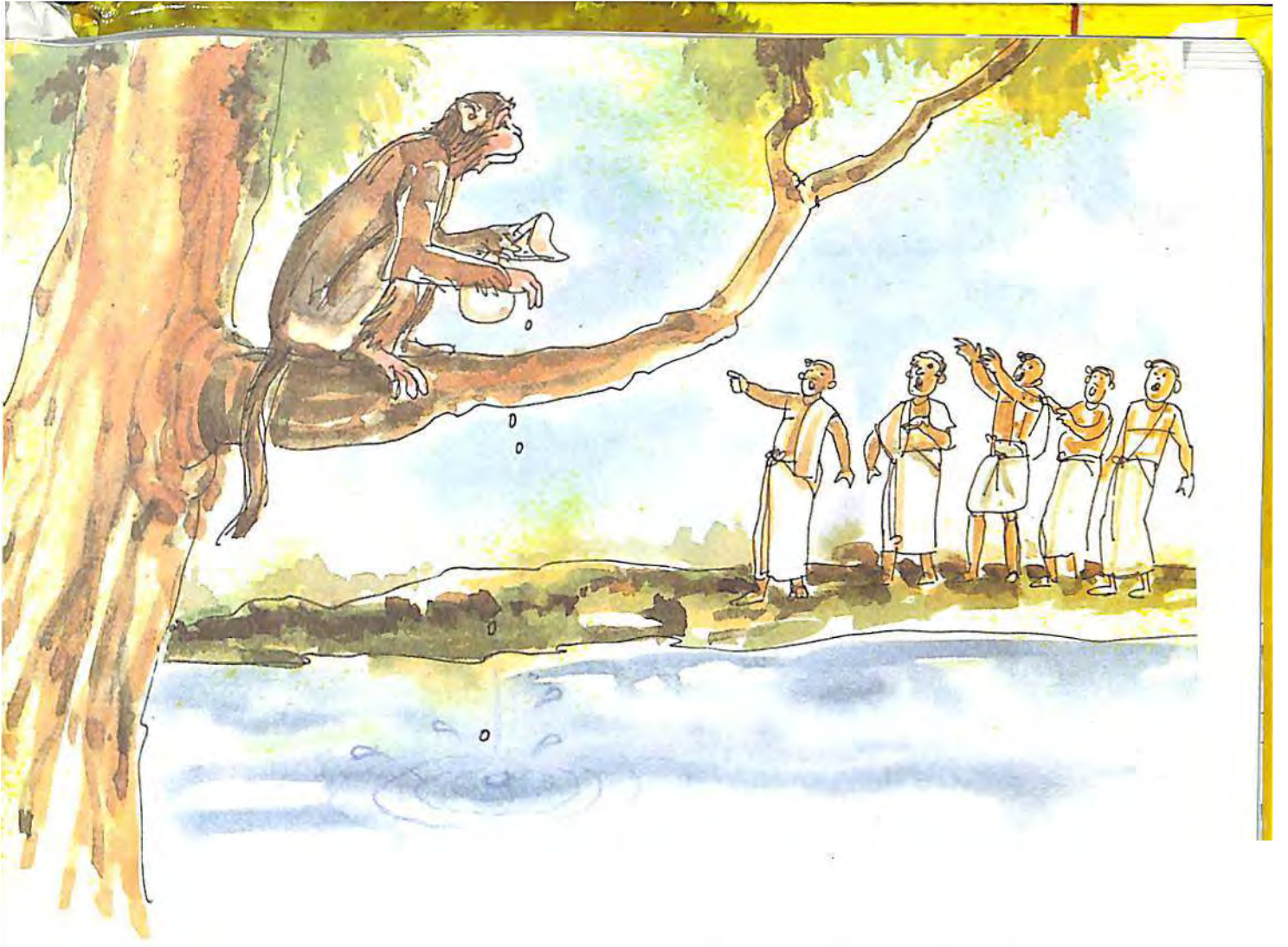
''ارے تو...... میں تجھے تھیلے چوری کرنا سکھاؤں گا'' پھر اس کنجوس نے ایک پتھر اٹھایا اور بندر کی طرف دے مارا۔

سگریو نے بڑے آرام سے اسے ایک ہاتھ میں پکڑا اور واپس کنجوس پر دے مارا جس سے کنجوس کے سر پر بڑی زور کی چوٹ لگی۔

''ارے مر گیا...... ارے میں زخمی ہو گیا'' آدمی اپنے خون نکلتے سر کو پکڑ کر زور سے دردناک آواز میں چیخا۔

''ارے دیکھو وہ کیا کر رہا ہے۔''

سگریو نے اس کنجوس کا تھیلا کھول لیا تھا اور اس میں رکھے پیسے ایک ایک کر کے جھیل میں ڈال رہا تھا۔

پانچوں آدمی بے چارگی سے کھڑے تب تک دیکھتے رہے جب تک بندر نے ایک ایک کر کے تھیلے

کے سارے پیسے جھیل میں نہ گرا دیے۔

پھر اچانک ہی اس نے تھیلے کو گیند کی طرح گولا بنا کر اس کے مالک پر دے مارا جو اس کے جا لگا۔

تم پیسے بچانا چاہ رہے تھے۔ ہے نا...... اب دیکھو یہ سب کیا ہو گیا۔ کافی سبق مل گیا یا نہیں؟ اب چلو مندر کی طرف لوٹ چلیں اور وہاں جا کر بھگوان سے معافی مانگیں۔

''کیا بات ہو گئی؟'' پجاری نے مسافروں کی حالت اور کنجوس کے پھٹے ہوئے سر کو دیکھ کر پوچھا۔ اور جب انھوں نے ساری بات بتا دی تو کہا ''اگر تم اپنی غلطی کو سدھارنا چاہو تو یہاں پر قسم کھاؤ کہ بندروں اور مچھلیوں کو کھانا کھلاؤ گے۔''

اور جیسے ہی اس کنجوس نے چڑھاوا چڑھانے کی بات کی سگریو دوبارہ نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ناریل کا ایک خول تھا جو اس نے ان لوگوں کے پاس رکھ دیا۔ اس خول میں پیسوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

''دیکھو پیسے...... وہ واپس کر رہا ہے۔''

''اس نے جھیل سے پیسے واپس نکال لیے ہیں۔''

جلدی سے کنجوس نے پیسے اٹھائے اور گن ڈالے۔

''پورے ہیں۔ ایک سو ایک روپے۔ کنجوس پجاری کی طرف مڑا۔ ''مہربانی کر کے یہ پیسے لے لیجیے اور یہاں پر آئیے سب عقیدت مندوں کے لیے پرشاد کا انتظام کیجیے اور ساتھ ہی مچھلیوں اور بندروں کے لیے بھی کھانے کا اہتمام کیجیے۔''

پجاری نے گردن ہلائی۔ پوجا کے بعد برتن میں سگریو کے لوگوں کے لیے برتن میں پکے ہوئے چاول کا کھانا رکھا گیا۔ جھیل میں بھی مچھلیوں کے لیے چاول ڈالا گیا۔ مگر کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ مچھلیوں اور بندروں دونوں نے۔ کیوں...... ظاہر ہے کہ وہ لوگ اس شخص کا کھانا کیسے قبول کرتے جو چڑھاوا چڑھانے میں پس و پیش کر رہا تھا۔

آخرکار وہ تو بھگوان کے خاص لوگ تھے۔

~~~~~~
~~~~~~
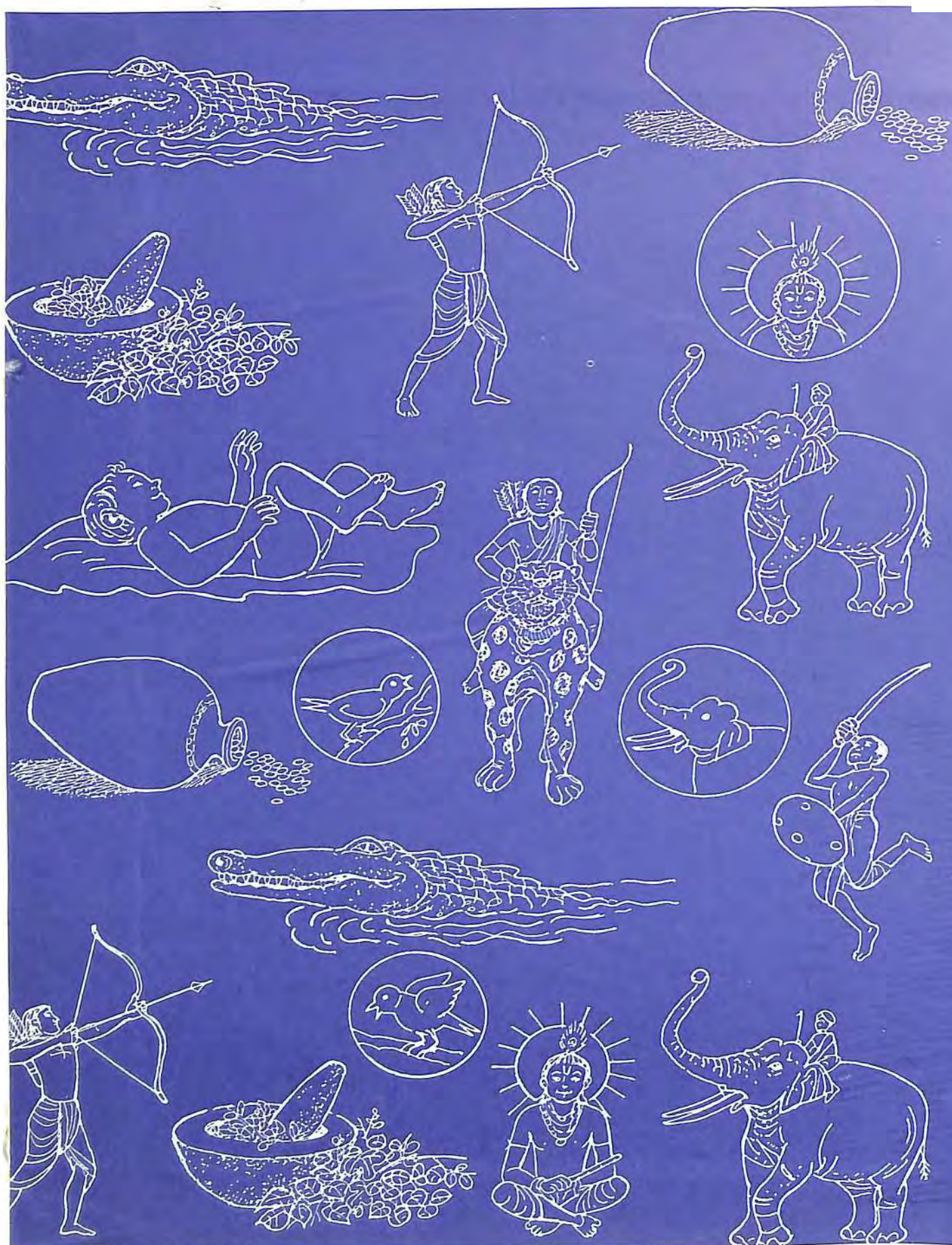
انگریزی ایڈیشن : 2001
اُردو ایڈیشن : 2003
تعدادِ اشاعت : 3000

قیمت : 120.00 روپے

This Urdu edition is published by the National Council for Promotion of Urdu Language, M/o. Human Resource Development, Department of Secondary and Higher Education, Govt. of India, West Block-I, R. K. Puram, New Delhi, by special arrangement with Children's Book Trust and Bachchon Ka Adabi Trust, New Delhi and printed at Indraprastha Press (CBT), New Delhi.